أَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ إِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ إِشْتَكٰى كُلُّهٗ وَإِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهٗ إِشْتَكٰى كُلُّهٗ (مسلم)

مُسلمانوں کے حقوق

حضرت ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی
شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

المؤمنون کرجل واحد إن اشتکی عینہ اشتکی
کلہ وإن اشتکی رأسہ اشتکی کلہ (مسلم)

مسلمانوں کے حقوق

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی
شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	مقدمہ	۸
۲	مسلمانوں کے حقوق کے متعلق دو حدیثیں	۹
۳	حق اول، سلام کا جواب دینا	۹
۴	سلام کے الفاظ	۲۰
۵	اشارہ سے سوال کرنا	۲۰
۶	سلام کے بعض دوسرے مروجہ الفاظ	۲۱
۷	جواب تحیۃ	۲۲
۸	غیر مسلم کے سلام کا جواب	۲۳
۹	سلام کرتے ہوئے آواز کی مقدار	۲۳
۱۰	اپنے گھر والوں کو سلام کرنا	۲۴
۱۱	نابالغ بچوں کو سلام کرنا	۲۶
۱۲	غائب کو سلام کرنا یا انکے سلام کا جواب دینا	۲۷
۱۳	سلام کا حکم	۲۸
۱۴	سلام مکروہ ہونے کے اوقات	۲۸
۱۵	مصافحہ اور معانقہ کے فضائل	۳۲
۱۶	سلام کرنے کے آداب	۳۳
۱۷	تعظیم کے لئے اٹھنے کا حکم	۳۵
۱۸	عورتوں کے متعلق سلام کے بعض احکام	۳۶
۱۹	دوسرا حق، عیادت مریض	۴۲
۲۰	آداب عیادت	۴۵
۲۱	عورت کی عیادت	۵۱
۲۲	غیر مسلم کی عیادت	۵۳
۲۳	مریض کی فریاد و شکایت	۵۴
۲۴	مریض کی زیادہ آہ وزاری	۵۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۲۵	مریض کو علاج پر آمادہ کرنا	۵۹
۲۶	معالج کی صفات و احکام	۶۱
۲۷	جائز دوا	۶۳
۲۸	شہد	۶۴
۲۹	مریض کی نماز کا طریقہ	۶۹
۳۰	بیمار کے لئے روزہ رکھنا	۷۱
۳۱	قرآن کریم کی شفا	۷۳
۳۲	معوذات	۷۸
۳۳	دانت کے درد کا علاج	۷۸
۳۴	سحر کے اثر سے متاثر ہو جانا نبوت و رسالت کے منافی نہیں	۸۰
۳۵	معوذتین کے فضائل	۸۱
۳۶	جنون مرگی کا علاج	۸۲
۳۷	جنازہ کی مشایعت	۸۶
۳۸	تیسرا حق، موت کی تمنا	۹۵
۳۹	جنازے کیساتھ عورتوں کے جانے کا حکم	۱۰۱
۴۰	جنازے کی مکروہات	۱۰۴
۴۱	جنازے اور دفن کی بعض بدعات	۱۰۸
۴۲	بدعات اور غلط رسمیں	۱۱۰
۴۳	بدعت کیا ہے؟	۱۱۲
۴۴	بدعات کے ناجائز اور ممنوع ہونے کی وجوہات	۱۱۴
۴۵	موت سے پہلے کی رسمیں اور کوتاہیاں	۱۲۱
۴۶	نماز کی پابندی نہ کرنا	۱۲۱
۴۷	نماز کے فرائض و واجبات میں کوتاہی	۱۲۳
۴۸	عذر شرعی کے باوجود تیمم نہ کرنا	۱۲۳
۴۹	بلا ضرورت مریض کا ستر دیکھنا	۱۲۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۵۰	دعا کا غلط طریقہ	۱۲۵
۵۱	صدقہ کے متعلق کوتاہیاں	۱۲۵
۵۲	وصیت خلاف شرع کرنا	۱۲۶
۵۳	عین وقت موت کی رسمیں	۱۲۷
۵۴	رونا پیٹنا اور گریبان پھاڑنا	۱۲۷
۵۵	موت کے بعد کی رسمیں	۱۳۲
۵۶	نماز جنازہ سے پہلے اور بعد میں دعا کرنا	۱۳۵
۵۷	جنازہ یا قبر پر پھولوں کی چادر ڈالنا	۱۳۶
۵۸	ایصال ثواب کے ختم کے اجتماعات	۱۴۱
۵۹	عرس منانا	۱۴۵
۶۰	چوتھا حق، دعوت کو قبول	۱۴۷
۶۱	دعوت قبول کرنے کا حکم	۱۴۹
۶۲	دعوت قبول نہ کرنے کے شرعی اعذار	۱۵۰
۶۳	دعوت قبول کرنے کے آداب	۱۵۳
۶۴	میزبان کے گھر میں حاضر ہونے اور بیٹھنے کے آداب	۱۶۰
۶۵	پانچواں حق، چھینک کا جواب	۱۶۳
۶۶	چھٹا حق، مسلمانوں کی خیر خواہی	۱۷۰
۶۷	استخارہ	۱۷۱
۶۸	استخارہ کا طریقہ	۱۷۲
۶۹	ضعیفوں کی مدد اور بڑوں کی عزت	۱۸۰
۷۰	مظلوم کی نصرت	۱۸۲
۷۱	پڑوس پر احسان کرنا	۱۸۵
		۱۹۲
		۱۹۶
		۱۹۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

اللہ کا فضل و کرم ہے جس نے انسان کو علم سے نوازا اور اپنے دین کی اعلیٰ محنت کے لئے قبول فرمایا۔

ہماری ہمیشہ سے سعی اور کوشش رہی ہے کہ مکتبہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ذریعے عوام الناس کے لئے ایسی کتب پیش کر سکیں جو ان کے لئے نافع اور ہمارے لئے باعث نجات ہوں اللہ تعالیٰ کا احسان و کرم ہے کہ اس سے قبل مکتبہ نے حضرت ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزی کی کئی تصانیف شائع کی ہیں "مسلمانوں کے حقوق" تصنیف بھی حضرت مفتی صاحب کی ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کے لئے نافع بنائے۔ ہماری آئندہ بھی یہی کوشش ہوگی کہ جلد از جلد مزید کتب بھی آپ کے سامنے پیش کر سکیں۔

قارئین کی خدمت میں استدعا ہے کہ ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ ہمیں اپنے دین متین کی نشرو اشاعت کے لئے قبول فرمائے۔ (آمین)

اظہار احمد بخشی

مولانا ہارون خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

بندہ نے مسلمانوں کے حقوق اور پڑوسیوں کے حقوق کے متعلق دو رسالے مرتب کئے تھے جو ایک مصری عالم عبداللہ الصفیفی کی کتابوں کے تراجم تھے۔ لیکن بندہ نے اس کی ترتیب اور مسائل میں اتنی تبدیلی کی ہے کہ یہ اب مستقل رسائل ہو گئے ہیں۔

ان کتابوں میں ان حقوق کی تفصیل ہے جو ایک مسلمان کی حیثیت سے مسلمانوں کے ہیں اسی طرح وہ حقوق جو ایک پڑوسی کی حیثیت سے معاشرے میں ایک دوسرے کے ذمے ہوا کرتے ہیں۔

یہ حقوق کا زمانہ ہے ہر آدمی حقوق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اس رسالہ میں آپ کو اسلامی حقوق کی تفصیل ملے گی۔

اللہ تعالیٰ ان رسائل کو میرے اور پڑھنے والوں کے لئے ذخیرہ آخرت بنادے۔ آمین

نظام الدین

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ ۵

۱۴۱۶/۵/۲۹ھ

مسلمانوں کے حقوق کے متعلق دو حدیثیں

(۱) حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں:

۱۔ سلام کا جواب دینا۔

۲۔ بیمار کی عیادت کرنا

۳۔ اس کے جنازے کی مشایعت کرنا (یعنی جنازے کے ساتھ قبرستان تک جانا)

۴۔ (اگر کوئی شرعی مانع موجود نہ ہو تو) اس کی دعوت کو قبول کرنا۔

۵۔ اگر اس کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہہ دے تو یرحمک اللہ کہہ کر اس کا جواب دینا۔

(رواہ البخاری و مسلم)

(۲) صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ دریافت کیا کہ اللہ کے رسول وہ حقوق کیا کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ جب اس سے ملاقات ہو تو سلام کر دے۔

۲۔ جب وہ دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرلے۔

۳۔ جب وہ تجھ سے خیر خواہی طلب کرے (یعنی مشورہ مانگے) تو اس کی خیر خواہی کر یعنی ایسا مشورہ دو جس میں اس کی خیر خواہی ہو۔

۴۔ اگر اس کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہہ دے تو جواب میں یرحمک اللہ کہہ دے۔

۵۔ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے

۶۔ اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کی مشایعت کرے یعنی جنازے کے ساتھ قبرستان تک جائے۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

حق اول، سلام کا جواب دینا

(۱) سلام کا جواب دینا واجب ہے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ (چنانچہ ارشاد فرمایا گیا۔

واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا ان اللہ کان علی کل شیء حسیبا۔

"اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر بے

شک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنا والا"

(سورہ ایت ۸۶)

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو خطاب ہے کہ جب کوئی مسلمان تم کو دعا دے یا سلام کرے تو تم پر بھی اس کا جواب دینا لازم ہے یا تو وہی کلمہ تم بھی اس کو کہو یا اس سے بہتر۔ مثلاً اگر کسی نے کہا السلام علیکم۔ تو تم پر واجب ہے کہ جواب میں وعلیکم السلام کہو اور اگر زیادہ ثواب چاہتے ہو تو ورحمۃ اللہ بھی بڑھا دو اور اگر اس نے یہ لفظ بڑھایا ہو تو تم وبرکاتہ زیادہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا حساب ہو گا اور اس کی جزا ملے گی۔

اس آیت مبارکہ میں تحیۃ کے لفظ سے مراد سلام کرنا ہے۔

(۱) تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ اہل ذمہ (مراد وہ کافر ہے جو معاہدے کے تحت دار الاسلام میں مسلمانوں کی اجازت سے رہتے ہوں) کے سلام کا جواب دینا بھی اسی طرح واجب اور ضروری ہے جس طرح مسلمان کے سلام کا جواب دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اس آیت مبارکہ میں حکم عام ہے اس میں مسلمان کی تخصیص نہیں ہے، البتہ یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ اہل ذمہ کو صرف وعلیک سے جواب دینا چاہئے۔ اہل ذمہ کے سلام کا جواب دینے کا قول حضرت ابن عباسؓ، شعبیؒ اور قتادہؒ سے منقول ہے۔

(۲) سلام کی فضیلت کے ثبوت کے لئے اتنی بات بھی کافی ہے کہ یہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور فرشتوں کا شعار اور طریقہ رہا ہے اور جنت میں بھی اہل جنت کا شعار ہو گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ

ولقد جاءت رسلنا ابراهيم بالبشرى قالو اسلاما قال سلام فمالبث ان جاء بعجل حنيذ۔

"اور البتہ آچکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے سلام۔ وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آئے ایک بچھڑا تلا ہوا"

(سورہ ھود ۶۹، ترجمہ شیخ الہندؒ)

حضرت ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو پیدا کیا تو ان سے فرمایا کہ جاؤ فرشتوں کی اس

بیٹھی ہوئی جماعت کو سلام کرو۔ اور پھر غور سے سنو کہ وہ تیرے سلام کا کیا جواب دیتے ہیں جو جواب وہ دیں گے وہ تیرے اور تیری اولاد کے لئے سلام کا جوب ہو گا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام گئے اور سلام کیا کہ السلام علیکم، فرشتوں نے جواب دیا کہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ فرشتوں نے جواب میں ورحمۃ اللہ کا لفظ بڑھا دیا۔

(متفق علیہ)

سلام کی فضیلت و اہمیت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کو اسلام کا سب سے بہتر عمل قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ اسلام کے اعمال میں سے کون سا عمل سب سے بہتر ہے۔ فرمایا یہ کہ تو کھانا کھلائے اور سلام کرے ہر مسلمان کو چاہے تو اس کو پہچانے یا نہ پہچانے۔

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قریب تر اور مقبول بندہ وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ عاجز آدمی وہ ہے جو دعا کرنے سے بھی عاجز ہو اور سب سے زیادہ بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بھی بخل سے کام لے۔

حضرت عمارؓ بن یاسر سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین صفات ایسی ہیں جس شخص نے ان کو جمع کیا (یعنی اپنے اندر پیدا کیں) تو اس نے ایمان کو جمع کیا یعنی ایمان کو حاصل کیا۔

۱۔ اپنے نفس سے انصاف کیا یعنی اگر کسی کا کوئی حق اس کے ذمہ ہے تو انصاف کے ساتھ اس کو ادا کیا۔

۲۔ سلام کو عام کرنا (سب کے لئے)

۳۔ تنگدستی میں اللہ کے نام پر صدقہ کرنا۔

امام نوویؒ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان تین کلمات میں دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں جمع کر دی ہیں اس لئے کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے تمام حقوق ادا کئے جائیں اور اوامر (یعنی جن اعمال کے

کرنے کا حکم دیا گیا ہے) ونواہی (یعنی جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے) پر عمل کیا جائے اور اسی طرح لوگوں کے حقوق ادا کرے اور جس چیز پر آدمی کا حق نہ بنتا ہو اس کا مطالبہ نہ کرے اور اپنے نفس سے انصاف کرے کہ کسی گناہ یا قبیح امر میں اپنے آپ کو مبتلا نہ کرے اور سلام کو عام کرے یعنی ہر مسلمان کو سلام کرے صرف دینی یا دنیوی عظمت و مرتبے کی بناء پر یا کسی کے احسان کی وجہ سے اس کو سلام نہ کرے بلکہ ہر مسلمان کو سلام کرے اور کسی پر تکبر نہ کرے یعنی اپنے آپ کو کسی مسلمان سے بڑا نہ سمجھے اور نہ کسی مسلمان سے قطع تعلق اور قطع کلامی کرے کہ جس کی وجہ سے پھر اس کو سلام بھی نہ کرے۔

تنگدستی میں بھی اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرے یہ وہ آدمی کر سکتا ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور یقین ہو اور جو توکل کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہو اور عام مسلمانوں کے ساتھ شفقت کا تعلق ہو یعنی ان کی تکالیف پر اس کا دل دکھتا ہو۔

عام مسلمانوں کو سلام کرنا خود سلام کرنے والے کی عزت اور بڑائی کا سبب بنتا ہے اور اس عمل سے خود اس کی شان اونچی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس عمل سے دلوں میں الفت و محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر دلوں میں کچھ رنجشیں ہوتی بھی ہیں تو وہ اس عمل سے ختم ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ کہا گیا ہے۔ کہ دلوں کی صفائی کے لئے سلام سے زیادہ کوئی بہتر نسخہ اور عمل نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت ابو الدرداءؓ سے نقل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سلام کو عام کرو اس سے تمہیں علو اور بڑائی نصیب ہو گی۔

اس حدیث کا مطلب بھی وہی ہے کہ اس عمل سے تمہارے اخلاق اچھے ہوں گے اور لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت پیدا ہو گی اور آپس میں الفت و تعلق زیادہ ہو گا۔

حضرت براءؓ بن عازب نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا تم سلام کو عام کرو اس سے تمہیں سلامتی نصیب ہو گی۔

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پچھلی امتوں کی خرابیاں اور باطنی امراض چھپ چھپ کر آہستہ آہستہ تم میں پیدا ہوں گی۔ یعنی بغض و حسد۔ اور بغض کی بیماری مونڈنے والی ہے، بال نہیں مونڈتی بلکہ دین کو مونڈ کر ختم کر دیتی ہے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اس وقت تک

جنت میں داخل نہیں ہو سکتے ہو جب تک کامل مومن نہ ہو اور تم کامل مومن نہیں بن سکتے ہو جب تک کہ ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمہارے درمیان محبت کو پیدا کر دے، اور قائم رکھے؟ سلام کو اپنے درمیان یعنی مسلمانوں میں) عام کرو۔

اگر اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ہم سلام کو اپنے معاشرہ میں عام کر دیں اور صحیح طریقے سے اس کا جواب دیں تو اس سے ہمارے معاشرے بلکہ پورے عالم اسلام میں وہ محبت و مودت لوٹ کر واپس آسکتی ہے جو قرون اول کے مسلمانوں میں پائی جاتی تھی (وہ ایسی محبت تھی کہ آج کا مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا لیکن افسوس کہ احکام اسلام سے روگردانی کر کے ہم اس محبت کو گنوا چکے ہیں) اس محبت کے نتیجہ میں ہم بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائیں گے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کی ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم۔

"محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) سخت ہیں کفار پر اور رحم و نرمی کرنے والے ہیں آپس میں"

(سورۃ الفتح آیت ۲۹)

سورہ حشر میں ارشاد ہے۔

والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون۔

"اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں (یعنی مدینہ منورہ میں) اور ایمان میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے ہیں ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ اور جو بچایا گیا اپنے جی کی لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے"

ان آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ قرون اول سے مسلمان ایک دوسرے سے سچی محبت کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی۔

اب ہر مسلمان کو اس کی خواہش ہونی چاہئے کہ اس کے دل میں بھی عام مسلمانوں کی محبت اسی طرح ہونی چاہئے۔ جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک دوسرے سے محبت تھی اور حدیث سے ثابت ہے کہ سلام کو عام کرنا اس کی محبت کو مسلمانوں کے دل میں پیدا کرتا ہے۔ اور کسی مسلمان کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا بہت عظیم فضیلت اور ثواب کی بات ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین صفات ایسی ہیں کہ اگر کسی میں موجود ہوں تو وہ ایمان کی مٹھاس اور لذت کو پورے طور پر حاصل کرے گا۔

١۔ ایک یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اس کی محبت سب سے زیادہ اور قوی ہو۔

٢۔ اگر کسی مسلمان سے محبت و تعلق رکھے تو صرف اللہ کی واسطے۔

٣۔ اور یہ کہ کفر و شرک میں واپس لوٹ جانے کو ایسا ہی ناپسند کرے جیسا کہ اپنے آپ کو آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ اس کو کفر سے نجات دلادی ہے۔

(متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ سات قسم کے آدمی ایسے ہیں جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے جبکہ اس دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ نہیں ہوگا؛

١۔ عادل بادشاہ

٢۔ وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھا۔

٣۔ وہ آدمی جس کا دل مسجد کے ساتھ لگا ہوا ہو (کہ کب دنیا کے کام کاج سے فارغ ہو کر مسجد جاؤں اور وہاں مجھ کو روحانی سکون حاصل ہو)

٤۔ وہ دو آدمی جو ایک دوسرے سے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھیں اسی پر وہ جمع ہوتے ہوں اور اسی پر ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہوں

٥۔ وہ آدمی جس کو کوئی حسن و جمال والی عورت بدکاری کی دعوت دے اور وہ انکار کر کے کہہ دے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں (اس لئے تمہاری دعوت قبول نہیں کر سکتا ہوں)

٦۔ وہ آدمی جو صدقہ کرے لیکن اس کو اتنا مخفی رکھے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

٧۔ وہ آدمی جس نے اکیلے میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔

(متفق علیہ)

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ارشاد فرما رہے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے سے میری جلالی و ذات کی وجہ سے محبت کرتے ہیں تو قیامت کے دن ان کے بیٹھنے کے لئے نور کے منبر ہوں گے جس پر وہ بیٹھے ہوں گے۔

انبیاء اور شہداء بھی ان کو دیکھ کر ان جیسے منبروں کی خواہش کریں گے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ وہ انبیاء تو نہیں لیکن قیامت کے دن انبیاء و شہدا بھی ان کی قدر و منزلت دیکھ کر ان پر رشک کریں گے۔ کسی نے پوچھا کہ وہ کون ہوں گے شاید ہم ان سے محبت کا تعلق قائم کر لیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے بغیر کسی نسب و رشتہ داری کے ایک دوسرے سے محبت کی تھی ان کے چہرے قیامت کے دن روشن ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے۔ جب قیامت کے دن لوگ خوف و ہراس میں مبتلا ہوں گے تو ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ جب لوگ حزن و ملال میں ہوں گے تو ان پر کوئی حزن و ملال نہیں ہوگا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔

"بے شک اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر کوئی خوف و ڈر نہیں ہوگا اور نہ ہو غمگین ہوں گے"

اس کے بعد ایک اور ارشاد میں اس سچی اور پاکیزہ محبت کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس کو چاہئے کہ نہ اس سے خیانت اور دھوکہ کرے نہ اس کی بات کو جھٹلائے اور نہ اس کو رسوا کرے ہر مسلمان پورا کا پورا دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اس کی عزت بھی اس کا مال بھی اس کا خون۔ آپ ﷺ نے (دل کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا تقویٰ یہاں ہے پھر فرمایا مسلمان

آدمی کے شریر ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

ایک روایت میں جو صحیح مسلم میں منقول ہے اس مضمون کو اور واضح کر کے بیان فرمایا گیا ہے کہ ایک دوسرے سے حسد مت کرو۔ دھوکہ مت دو۔ (حدیث میں لفظ لَاتَنَاجَشُوا آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بازار میں کوئی چیز فروخت ہو رہی ہے تو کوئی شخص اس کی زیادہ قیمت لگائے حالانکہ اس چیز کا خریدنا مقصود نہیں بلکہ صرف دوسرے گاہکوں کو راغب کرنے اور زیادہ قیمت پر فروخت کرنے کے لئے اس کی قیمت بظاہر زیادہ لگائے گویا صاحب مال اور دکاندار سے ملا ہوا ہے کہ بعد میں وہ چیز واپس کر دیتا ہے اور رقم واپس لے لیتا ہی یا رقم بھی اس دھوکہ دہی کے لئے دوکاندار اور مالک ہی کی استعمال ہو رہی ہے۔ یہ آدمی اپنے اس عمل اور دھوکہ دینے کی بھی دوکاندار سے بسا اوقات تنخواہ لیتا ہے) ایک دوسرے سے بغض مت کرو۔ جہاد میں دشمن سے بھاگ کر پیٹھ مت پھیرو۔ ایک دوسرے کی بیع پر چڑھتی مت کیا کرو (یعنی اگر کوئی شخص کسی چیز کو کم قیمت پر خرید لے تو آپ اس کی بیع کو خراب کرنے کے لئے اس چیز کی قیمت نہ بڑھائیں یہ ممانعت تب ہے جب کہ بیع مکمل ہو چکی ہو)

اللہ کے بندے اور بھائی بھائی ہو۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اس کو چاہئے) نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو حقیر اور کم تر جانے اور نہ اس کو رسوا کرے۔ دل کی طرف اشارہ کر کے تین دفعہ ارشاد فرمایا کہ تقوی یہاں ہے کسی آدمی کے شریر ہونے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ ایک مسلمان پر حرام ہے اس کا خون، اس کا مال، اس کی عزت یعنی نہ اس کا مال لینا بغیر اس کی اجازت اور خوشی کے جائز ہے نہ اس کا خون بہانا اور نہ اس کی بے عزتی کرنا۔

صحیح بخاری و مسلم کی ایک اور روایت میں ارشاد ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو ظالم اور دشمن کے حوالے کرے جو آدمی بھی اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت اور حاجت براری میں مشغول ہو گا تو اللہ تبارک و تعالی اس کی حاجات اور ضرورتوں کو پورا فرمائیں گے۔ جس نے کسی مسلمان بھائی سے تکلیف اور مصیبت ہٹائی اللہ تبارک و تعالی قیامت کے دن اس سے تکالیف کو ہٹا دیں گے

اور اس کی تکالیف میں کشادگی و راحت عطا فرمائیں گے۔ جس نے کسی دوسرے مسلمان کی کمزوریوں پر پردہ ڈالا اللہ تبارک و تعالی قیامت کے دن اس کے گناہوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈال دیں گے یعنی معاف فرما دیں گے۔ (متفق علیہ)

ہمیں بھی نبی اکرم ﷺ کی ان وصیتوں پر عمل کرنا چاہئے اگر ہم خلوص سے ان احکام پر عمل کر لیں تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہماری اسلامی معاشرے میں کوئی شقی، محروم اور غریب و محتاج باقی نہیں رہے گا اور شیطان کو بھی ہمارے درمیان اختلاف ڈالنے اور جھگڑا برپا کرانے کا موقع نہیں ملے گا۔

چنانچہ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ارشاد فرما رہے تھے کہ شیطان اب اس سے تو نا امید ہو چکا ہے کہ مسلمان اور نمازی دوبارہ عرب کے جزیرے میں اس کی عبادت شروع کریں گے البتہ اس کو مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالنے، ایک دوسرے سے ان کو ناراض کرنے اور جھگڑا فساد برپا کرنے کی امید ہے اور وہ مسلمانوں کے درمیان اس کام کے لئے کوشش کرتا ہے۔

جب احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ایک دوسرے کو سلام کرنا ہی وہ عمل ہے جس سے دلوں کی دوریاں قربتوں میں بدل جاتی ہیں اور اس عمل ہی سے وہ محبت پیدا ہوتی ہے جس کی تلاش میں ہم سرگرداں ہیں اور جس کے نہ ہونے سے ساری خرابیاں اور فسادات پیدا ہوتے ہیں تو یہی ہمارا تحفہ ہونا چاہئے جو بوقت ملاقات ہم ایک دوسرے کو دیا کریں اور اسی کو ہم عزت کا ذریعہ جانیں کیونکہ یہ ہمارے دین و مذہب اسلام کا تحفہ اور حکم ہے بجائے اس کے کہ ہم صبح بخیر یا شام بخیر یا بندگی وغیرہ کے غیر شرعی الفاظ استعمال کریں جو دوسری کافر اقوام میں رائج ہیں۔

اس آنے والی حدیث کو پڑھیئے اور دیکھئے کہ اس میں ہمارے لئے کتنی ترغیب ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

اے لوگو! سلام کو آپس میں عام کرو۔ ایک دوسرے کو کھانا کھلاؤ صلہ رحمی اور رشتہ کی رعایت کیا کرو اور جب رات کو لوگ خواب راحت میں ہوں تو تم نماز (یعنی تہجد) پڑھ لیا کرو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو گے۔

اب سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کے فضائل کے بعد ہم قرآن و حدیث سے

سلام کے کچھ احکام ذکر کریں گے تاکہ پڑھنے والے ان احکام سے واقف ہو کر ان پر عمل کریں۔

(۱) سلام کی احکام میں سے پہلا حکم وہ ہے جس کی طرف سورہ نور کی آیت ۲۷ میں ارشاد کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

یٰ ایھا الذین امنو الاتدخلو بیوتا غیر بیوتکم حتی تستا نسوا وتسلموا علی اھلھا ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون۔

"اے ایمان والو! مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھروں کے علاوہ جب تک بول چال نہ کرو اور سلام نہ کر لو ان گھر والوں پر یہ بہتر ہے تمہارے لئے تاکہ تم یاد رکھو"

یعنی خاص اپنی رہنے کا جو گھر ہو اس کے علاوہ کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں یوں ہی بے خبر نہیں گھسنا چاہئے۔ کیا جانے وہ کس حال میں ہو اور اس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہو یا نہیں، لہذا اندر جانے سے پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے اور سب سے بہتر آواز سلام کی ہے۔ حدیث میں ہے کہ تین دفعہ سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے۔ اگر تین بار سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ فی الحقیقت یہ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو صاحب خانہ اور ملاقاتی دونوں کے حق میں بہتر ہے مگر افسوس آج مسلمان ان مفید ہدایات کو ترک کرتے جاتے ہیں جن کو دوسری قومیں اپنا کر ترقی کر رہی ہیں۔

امام نووی نے فرمایا ہے کہ کسی کے ہاں گھر میں داخل ہونے کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے سلام کرے پھر داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرے کیونکہ سنن ترمذی میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا سلام کلام سے پہلے ہے یعنی بات چیت کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہئے اس کے بعد پھر بات کرنا چاہے تو کرے۔

مسند ابوبکر بن ابی شیبہ اور امام بخاری کی کتاب الادب المفرد میں حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہے اور سلام کرنے سے پہلے داخل ہونے کی اجازت طلب کرے تو کیا اس کو اجازت دی جائے۔ فرمایا کہ جب تک سلام نہ کرے اس وقت تک اس کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دی جائے۔

(۲) سلام کے متعلق دوسرا حکم سورۃ النور کی آیت نمبر ۶۱ میں بیان کیا گیا ہے۔

فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم تحیۃ من عند اللہ مبارکۃ طیبۃ کذالک یبین اللہ لکم الایات لعلکم تعقلون۔

"یعنی جب گھر جانے لگو تو سلام کہو اپنے لوگوں پر نیک دعا ہے اللہ کے یہاں سے برکت والی صاف ستھری یوں کھولتا ہے اور بیان کرتا ہے اللہ تعالی تمہارے لئے اپنی آیات و احکام تاکہ تم سمجھ لو"

اس آیت میں بھی اپنے گھر والوں کے لئے سلام کا حکم دیا کہ آپس میں ملاقات کے وقت ان کو بھی سلام کیا کرو کیونکہ اس سے بہتر دعا و تحفہ اور کوئی نہیں ہے جو لوگ اللہ تعالی کے ان تجویز کردہ الفاظ کو چھوڑ کر آپس کی ملاقات کے وقت اپنے گھڑے ہوئے دوسرے الفاظ استعمال کرتے ہیں ان کو چاہئے کہ اللہ تبارک و تعالی کے تجویز کردہ الفاظ استعمال کریں کیونکہ اللہ تعالی کی تجویز ان کی تجویز سے بہتر و افضل اور باعث ثواب و برکت ہے۔

امام قشیریؒ سے منقول ہے کہ یہ حکم عام ہے اور ہر گھر میں داخل ہونے کے لئے یہی حکم ہے یعنی سلام کرنے کا اگر گھر میں دوسرا کوئی مسلمان مرد یا عورت یا بچے رہائش پذیر ہوں تو یوں کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اور اگر گھر میں کوئی دوسرا مسلمان نہ ہو تو پھر یوں کہے السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اور اگر گھر میں کوئی غیر مسلم ہو تو پھر یوں سلام کرے السلام علی من اتبع الھدی۔ آیت مبارکہ میں تحیۃ من عند اللہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ دعا اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے مشروع اور ثابت ہے نیز تحیہ کا معنی یہ بھی ہے کہ یوں کہے حیاک اللہ تعالی یعنی اللہ تبارک وتعالی تجھے اچھی زندگی عطا فرمائے۔ طیبۃ کا معنی یہ ہے کہ اس دعا کے سننے سے (یعنی سلام) سننے والے کا دل خوش ہو جاتا ہے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس جب فرشتے بیٹے کے پیدا ہونے کی خوشخبری کے لئے آئے تو انہوں نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو سلام کیا۔ چنانچہ سورہ ہود آیت ۶۹ میں ارشاد ہے کہ

ولقد جاء ت رسلنا ابراھیم بالبشری قالوا سلاما قال سلام فما لبث ان جاء بعجل حنیذ۔

"البتہ آئے تھے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر تو بولے سلام (حضرت ابراہیم نے جواب میں) کہا سلام، پھر دیر نہ کی کہ لے آئے ایک بچھڑا تلا ہوا"

یعنی فرشتوں نے جب حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام سے ملاقات کی تو سب سے پہلے سلام کیا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے سلام کا جواب دیا۔

سلام کے الفاظ

سلام کرنے میں سب سے افضل الفاظ یہ ہیں کہ سلام کرنے والا ان الفاظ سے سلام کرے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اور جواب دینے والا یوں جواب دے کہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت عمران بن الحصین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں ایک آدمی آیا اور اس نے ان الفاظ سے سلام کیا کہ السلام علیکم آپ ﷺ نے سلام کا جواب عنایت فرمایا اور پھر فرمایا کہ اس کو دس نیکیاں ملیں گی۔ پھر وہ آدمی آپ کی مجلس میں بیٹھا۔ پھر دوسرا آدمی آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ ﷺ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا وہ بھی مجلس میں بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو بیس نیکیاں ملیں گی۔ پھر تیسرا آدمی آیا اور اس نے ان الفاظ سے سلام کیا کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ ﷺ نے جواب دیا۔ وہ بھی بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو تیس نیکیاں ملیں گی۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر لفظ پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ السلام علیکم کی دس۔ ورحمۃ اللہ کی دس۔ وبرکاتہ کی بھی دس نیکیاں ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یہ جبریل علیہ (السلام) ہیں تجھے سلام کہہ رہے ہیں میں نے جواب میں کہا کہ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اشارے سے سلام کرنا

حضرت اسماءؓ بنت یزید سے روایت ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ مسجد میں سے گذر رہے تھے۔ عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو

سلام کیا۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سلام کے الفاظ بھی ادا کئے تھے لیکن آہستہ یعنی سلام کے الفاظ کے ساتھ اشارہ بھی کیا کیونکہ الفاظ سلام ادا کیئے بغیر صرف ہاتھ سے اشارہ کرنا ممنوع ہے اور بعض روایات میں اس کو نصاریٰ یعنی عیسائیوں کا طریقہ بتایا گیا ہے اس لئے اگر کوئی دشواری ہے اور اشارے کی ضرورت ہو تو الفاظ ادا کرنے کے ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرے الفاظ کی ادائیگی کے بغیر صرف ہاتھ سے اشارہ کرنا جیسے بعض دنیوی مرتبہ پر فائز لوگ یا متکبر لوگ کرتے ہیں ہر گز جائز نہیں ہے۔

سلام کے بعض دوسرے مروج الفاظ

تفسیر الستار میں واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا او ردوھا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ لفظ تحیۃ کا مصدر حیات ہے جب کوئی شخص کسی کو بطور دعا کہہ دے کہ حیاک اللہ تو آیت کے مفہوم پر عمل ہو جاتا ہے۔ پھر تحیہ ہر اس دعا اور اچھے لفظ کا نام ہے جو ملاقات کرنے والے بوقت ملاقات ایک دوسرے سے کہیں، جیسے صبح بخیر، شام بخیر لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ الفاظ سلام کے بعد کہنے چاہئیں یہ سلام کا بدل نہیں بن سکتے ہیں کیونکہ اسلام نے مسلمانوں کا شعار سلام کو قرار دیا ہے تاکہ بوقت ملاقات یہ ظاہر ہو کہ ہم اس دین سے تعلق رکھتے ہیں جو سلامتی کا مذہب ہے اس لئے ہم بھی سلامتی و محبوب رکھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ بعض علاقوں میں ملاقات کے وقت مختلف الفاظ مروج ہیں جیسے اسعد اللہ صباحکم یا شام کے وقت کہتے ہیں کہ اسعد اللہ مساء کم۔ یا نہارک سعید یا لیلتک سعیدۃ۔ یا اردو میں صبح بخیر، شام بخیر، فارسی میں بھی یہ الفاظ یا اس کے قریب دوسرے الفاظ استعمال ہوتے ہیں یا انگریزی میں گڈ مارننگ Good morning اور گڈ نائٹ Good Night ان میں سے بعض الفاظ سے اگرچہ بقول صاحب ستار تحیہ کا مفہوم تو ادا ہو گا لیکن سلام کے ثواب سے محرومی ہو گی جو ایک مسلمان کے لئے حقیقی محرومی اور غم کی بات ہے۔ جیسے شاعر نے کہا ہے،

فلیس المصاب من فارق الاحباب

ان المصاب من فقد الثواب

"حقیقتاً محروم و غم زدہ وہ آدمی نہیں جو اپنے اقارب و احباب سے الگ و محروم ہو جائے

بلکہ وہ آدمی ہے جو ثواب سے محروم ہو جائے"

جواب تحیہ

تفسیر منار میں لکھا ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت واذا حییتم بتحیۃ فحیو باحسن منھا اوردوھا میں اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ جو ہمیں تحیہ سلام کرے یا دعا دے ہم اس سے بہتر جواب دیں یا کم از کم اسی طرح جواب دے دیں۔

مثلاً اگر کوئی شخص السلام علیکم کہہ دے تو ہم جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہیں یا صرف وعلیکم السلام کہہ دیں۔

یہی اس کا جواب ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کہہ دے کہ اسعد اللہ صباحکم (اللہ تمہاری صبح کو اچھا اور مبارک بنا دے) یا اسعد اللہ مساء کم (اللہ تمہاری شام کو اچھا اور مبارک بنا دے) تو یوں جواب دینا چاہئے کہ اسعد اللہ جمیع اوقاتکم اللہ تبارک تعالی تمہارے تمام اوقات کو مبارک اور اچھا بنا دے۔ اس طرح جواب دینے سے آپ کا جواب اس سے بہتر ہو جائے گا۔

تفسیر منار میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اور ابن زید رحمہ اللہ کا قول منقول ہے کہ بہتر جواب کا حکم مسلمانوں کے سلام کے جواب کے لئے ہے لیکن صاحب منار فرماتے ہیں کہ اس فرق کی کوئی دلیل قرآن وسنت میں موجود نہیں ہے۔

ابن جریرؒ الطبری نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کی مخلوق میں سے جو بھی آپ کو سلام کریں اس کا جواب دے دیں اگرچہ سلام کرنے والا مجوسی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تبارک وتعالی کا حکم ہے کہ واذا حییتم بتحیۃ فحیو باحسن منھا اوردوھا کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس کا اچھا یا ویسا ہی جواب دو۔ یہ حکم گویا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما کی نظر میں مسلمان اور کافر سب کے لئے عام ہے۔

بعض صحابہ کرام جیسے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ وہ ذمی (یعنی مسلمانوں کی اجازت اور معاہدے سے دار السلام میں رہنے والا کافر) کو بھی سلام کیا کرتے تھے اور کہتے تھے السلام علیکم منقول ہے کہ مشہور محدث ومجتہد حضرت شعبیؒ کو ایک عیسائی نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وعلیک السلام ورحمۃ اللہ تعالی۔ کسی شاگرد نے پوچھا کہ آپ

نے عیسائی کو رحمت کی دعا کیوں دی تو فرمایا کہ کیا وہ اللہ تعالی کی رحمت میں زندگی نہیں گذار رہا ہے۔ یعنی اس کی زندگی اور دنیوی آسائش بھی تو اللہ کی رحمت ہے لیکن عام فقہاء نے لکھا ہے کہ غیر مسلم کو از خود سلام نہ کیا جائے اور اگر وہ سلام کرے تو صرف وعلیک سے جواب دیا جائے۔

غیر مسلمین کے سلام کا جواب

تفسیر المنار میں ہے کہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ جیسے مسلمان کے سلام کا جواب دینا واجب ہے اسی طرح غیر مسلموں کے سلام کا جواب دینا بھی واجب اور ضروری ہے۔ بعض نے سنت بتایا ہے۔

احناف کی فقہ کی کتاب فتاوی قاضی خان میں لکھا ہے کہ اگر یہودی عیسائی یا مجوسی کسی مسلمان کو سلام کرے تو اس کے جواب دینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قاضی خان کے ہاں غیر مسلمین کے سلام کا جواب دینا صرف جائز ہے واجب یا مسنون نہیں ہے۔

ایک حدیث میں منقول ہے (جو سنن بیہقی اور طبرانی کی معجم کبیر میں حضرت ابو امامہ سے مروی ہے) کہ اللہ تبارک وتعالی نے سلام مسلمانوں کے لئے آپس کی ملاقات کے وقت تحفہ مقرر کیا ہے اور اہل ذمہ یعنی کفار کے لئے اس کو امان کا ذریعہ بنایا ہے۔

امام سیوطیؒ نے آیت واذا حییتم کے تحت الکلیل میں لکھا ہے کہ اس آیت سے سلام کا مشروع اور جائز ہونا اور سلام کے جواب کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جمہور علماء نے اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دینا چاہئے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر البتہ ہر ایک کے لئے جواب الگ الگ ہو گا۔ کمافی تفسیر القاسمی البتہ اپنی طرف سے غیر مسلموں کو ابتداءً سلام نہیں کرنا چاہئے احادیث میں منع کیا گیا ہے۔

سلام کرتے ہوئے آواز کی مقدار

حضرت مقدادؓ بن الاسود سے ایک حدیث میں منقول ہے کہ ہم کچھ بے گھر اور غریب صحابہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ کھانے کے لئے اور کچھ نہیں تھا۔ ایک بکری تھی جس کا دودھ نکال کر ہم تھوڑا تھوڑا تقسیم کر کے پی لیا کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کچھ دیر سے تشریف لایا کرتے تھے اس لئے آپ کے حصے کا دودھ ہم بچا کر

رکھ لیا کرتے تھے۔ جب آپ تشریف لاتے تو اتنی آواز سے سلام کیا کرتے تھے کہ سونے والوں کو تکلیف نہ ہو اور وہ جاگ نہ جائیں اور بیدار رہنے والے سن کر جواب دے سکیں۔ ایک دفعہ آپ تشریف لائے اور اسی عادت کے مطابق آپ نے سلام کیا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام اتنی اونچی آواز سے ہو کہ جو لوگ مجلس میں بیٹھے ہوئے ہوں وہ سن لیں تاکہ جواب دے سکیں اور اگر کچھ لوگ سوئے ہوئے ہوں یا اور کسی شغل میں مشغول ہوں تو ان کو بھی تکلیف نہ ہو۔

اپنے گھر والوں کو سلام کرنا

جب آدمی گھر آئے تو اپنے گھر والوں کو (چاہے صرف بیوی ہی کیوں نہ ہو) سلام کرے اس کے متعلق احادیث میں تاکید آئی ہے۔

چنانچہ حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے پانچ باتوں کی وصیت فرمائی تھی۔ فرمایا اے انسؓ

۱۔ وضو کامل اور مکمل کر لیا کرو یعنی وضو میں فرائض اور سنن و مستحبات پر عمل کر کے وضو کیا کرو، اس سے تیری عمر بڑھے گی۔

۲۔ اور سلام کیا کر میری امت کے ہر اس فرد کو جس سے تیری ملاقات ہو اس سے تیری نیکیاں زیادہ ہوں گی۔

۳۔ اور جب تو گھر میں داخل ہو تو اپنی گھر والوں کو سلام کیا کر اس سے تیرے گھر میں خیر و برکت آئے گی۔

۴۔ اور چاشت کی نماز پڑھ لیا کر یہ تجھ سے پہلے نیک اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے لوگوں کی نماز ہے۔

۵۔ اور اے انس چھوٹوں پر رحم کیا کر اور بڑوں کی عزت کیا کرو، اس عمل سے تم قیامت میں میرے رفیق ہو گے۔

حضرت ابو مالک الاشجعیؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہونا چاہے تو اس کو چاہئے کہ یہ دعا پڑھ لیا کرے۔

اللھم انی اسالک خیر الولوج وخیر الخروج باسم اللہ ولجنا وباسم اللہ خرجنا وعلی اللہ توکلنا۔

"اے اللہ میں تجھ سے اچھائی اور خیر کے ساتھ داخل ہونے اور خیر کے ساتھ نکلنے کی التجا کرتا ہوں۔ اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ ہم داخل ہوئے اور اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ ہم نکلے اور اللہ تعالیٰ پر ہم نے توکل اور اعتماد کیا"

پھر داخل ہو کر گھر والوں کو سلام کرے۔

حضرت زید بن اسلم سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم گھروں میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کیا کرو اور اللہ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ پڑھ کر گھر میں داخل ہوا کرو اس لئے کہ جب تم گھر میں سلام کے ساتھ داخل ہوتے ہو اور پھر کھانے کے وقت پر بھی بسم اللہ پڑھ لیتے ہو تو بڑا شیطان اپنے ساتھیوں کو کہتا ہے کہ اس گھر میں نہ تمہارے رات گذارنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا اور جب تم بغیر سلام کے گھر میں آتے ہو اور کھانے کے وقت کھانے پر بسم اللہ نہیں پڑھتے تو پھر شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تم نے رات گذارنے کی جگہ بھی پالی اور شام کا کھانا بھی۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا مفہوم صحیح مسلم کی ایک روایت سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے بیٹے جب تم گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کر لیا کرو یہ تیرے لئے باعث برکت ہو گا اور تیرے گھر والوں کے لئے بھی۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب تم گھر میں داخل ہو تو سلام کیا کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک اور پاک تحفہ ہے۔

ابن جریج کا قول ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ حضرت جابرؓ اس کو واجب اور ضروری سمجھتے تھے۔

ابن جریجؒ نے زیاد بن طاؤس سے نقل کیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے گھر آئے تو سلام کر لیا کرے۔

ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاءؒ بن ابی رباح سے پوچھا کہ کیا جب میں گھر سے نکلوں اور پھر جلدی واپس آؤں تو پھر سلام کرنا واجب ہو گا؟ حضرت عطاءؒ نے فرمایا کہ نہیں واجب نہیں وجوب کسی سے بھی منقول نہیں ہے البتہ یہ پسندیدہ ہے میں

خود ہمیشہ اس پر عمل کرتا ہوں اور کبھی ترک نہیں کرتا سوائے اس کے کہ بھول جاؤں۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کیا کرو کیونکہ دوسروں کے بنسبت وہ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ تم ان کو سلام کرو کیونکہ سلام دعا ہے اور دعا اجنبیوں کے بنسبت اپنوں کو زیادہ دی جاتی ہے۔

حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہونا چاہو تو دخول مسجد کی دعا کے ساتھ السلام علی رسول اللہ بھی کہہ دیا کرو اور جب اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کیا کرو اور جب تم کسی ایسے گھر میں داخل ہو جہاں کوئی موجود نہ ہو تو یوں کہہ دیا کرو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔

نابالغ بچوں کو سلام کرنا

حضرت انس بن مالک سے منقول ہے کہ ایک دفعہ وہ بچوں کے قریب سے گذرے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

(متفق علیہ)

اس سے بچوں کو تادیب بھی مقصود ہے کہ وہ سلام کرنے کا طریقہ اور ادب سیکھ لیں اور پھر [illegible] کو سلام کیا کریں۔

بازار میں سلام کرنے کے متعلق امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جب کوئی شخص بازار یا عام راستے پر چلے یا ایسی جگہ جائے جہاں لوگوں کی کثرت ہو تو پھر جن لوگوں کو آسانی کے ساتھ سلام کرنا ممکن ہو ان کو سلام کیا جائے اس لئے کہ اگر ہر ہر آدمی کو سلام کیا جائے تو پھر اپنے کام سے بھی دور ہو جائے گا نیز یہ کہ ایسے مقامات پر عرف بھی یہی ہے کہ بعض لوگوں کو سلام کیا جاتا ہے مثلاً صرف صلحاء کو یا جان پہچان والوں کو کیونکہ سلام اگرچہ بنیت ثواب ہی کیا جاتا ہے لیکن دو چیزیں مطلوب ہوتی ہیں یا کسی سے محبت کا تعلق قائم کرنا یا کسی ناپسندیدہ امر سے اپنے آپ کو بچانا اور یہ مقاصد بعض لوگوں کو سلام کرنے سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے حرج کے وقت سب کو سلام کرنا ضروری نہیں ہوا کرتا۔

البتہ بعض صحابہ سے مروی ہے کہ وہ صرف لوگوں کو سلام کرنے کے لئے بازار جایا کرتے تھے کیونکہ بازار میں مسلمانوں کی کثرت، ہوتی تو زیادہ سلام کرنے کی نوبت آتی لہذا

ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق طفیل بن ابی بن کعب نقل کرتے ہیں کہ میں صبح کے وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا کرتا تھا اور ان کے ساتھ بازار جایا کرتا تھا۔ حضرت عبداللہؓ جب کسی تاجر کے پاس سے گذرتے تھے تو ان کو سلام کیا کرتے تھے۔ اسی طرح اگر کسی مسکین و غریب کے قریب سے گذرتے تو ان کو بھی سلام کیا کرتے تھے۔ طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن میں صبح ان کے پاس آیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ میرے ساتھ چلو میں نے عرض کیا کہ آپ بازار جا کر کیا کریں گے کیونکہ آپ کچھ خریدتے تو ہیں نہیں، یہیں تشریف رکھئے بات چیت کریں گے، حضرت ابن عمرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ ارے بڑے پیٹ والے (کیونکہ طفیل کا پیٹ بڑا تھا) ہم مسلمانوں کو سلام کرنے کے لئے صبح صبح بازار جاتے ہیں۔

غائب کو سلام کرنا یا اس کے سلام کا جواب دینا

امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں غائب آدمی کو سلام کرنے اس کے سلام کے جواب دینے کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کو خط میں السلام علیکم لکھا جائے تو جب اس کو خط ملے اور وہ اس کو پڑھے تو سلام کا جواب دینا اس پر واجب ہو گا۔ امام واحدیؒ اور بعض دوسرے علماء نے خط کے سلام کا جواب دینا واجب قرار دیا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ یہ (حضرت) جبریل (علیہ السلام) میرے پاس ہیں اور تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کہ وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یعنی ان پر سلامتی اور اللہ تعالی کی رحمت و برکات ہوں۔

اسی طرح کسی غائب آدمی کو خط یا کسی آدمی کے ذریعہ سے سلام بھیجنا مستحب و بہتر ہے اور جب کوئی شخص کسی کے ذریعے سے سلام کہہ دے اور سلام پہنچانے والا آپ کو سلام پہنچا دے کہ فلاں سلام کہہ رہا تھا تو فوراً اس کا جواب دینا واجب ہے اسی طرح سلام پہنچانے والے کو بھی جواب میں شامل کرنا چاہئے۔ چنانچہ یوں جواب دینا چاہئے۔ وعلیک وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ایک صحابی سے روایت ہے کہ مجھے میرے والد نے ان کا سلام پہنچانے کے لئے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ میں جب پہنچا تو عرض کیا کہ میرے والد سلام عرض کر

رہے تھے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ وعلیک وعلی ابیک السلام یعنی تجھ پر اور تیرے والد پر سلامتی ہو۔

سلام کا حکم

امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ سلام کرنا سنت ہے اور جس کو سلام کیا جائے اس پر جواب دینا واجب ہے، اگر جواب نہ دے تو واجب کو ترک کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا۔ اگر کئی لوگ ایک ساتھ جا رہے ہوں اور ان میں سے بعض نے یا کسی ایک نے بھی سلام کر لیا تو سب کی طرف سے سنت ادا ہو جائے گی، ہر آدمی کے لئے الگ الگ سلام کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی ایک آدمی کو سلام کیا گیا ہے معین طور پر اس پر جواب دینا واجب ہے اور اگر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں تو سب پر جواب واجب علی الکفایہ ہے ان میں سے اگر جس یا کوئی ایک بھی سلام کا جواب دے دے گا تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو جائے گا۔ افضل یہ ہے کہ سب لوگ (زیادہ ہونے کی صورت میں) سلام کریں اور جواب بھی سب ہی دیں۔

حضرت علیؓ نے نبی اکرم ﷺ کا قول نقل کیا ہے کہ جب کوئی جماعت گذر رہی ہو اور ان میں سے ایک بھی سلام کر لے تو سب کی طرف سے کافی ہو گا اور بیٹھنے والوں میں سے بھی جب کوئی ایک جواب دے گا تو وہ سب کی طرف سے کافی ہو گا۔

حافظ ابن عبد البر مالکی نے نقل کیا ہے کہ سب علماء کا اس پر اجماع ہے کہ سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا ضروری اور واجب ہے۔

سلام مکروہ ہونے کے اوقات

(۱) امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی پیشاب وغیرہ میں مشغول ہو تو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی شخص کسی کو اس حال میں سلام کر بھی لے تو وہ جواب کا مستحق نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح اگر کوئی شخص کھانا کھا رہا ہے اور لقمہ منہ میں ہے تو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے البتہ اگر کھانے کی خواہش ہو اور مقصد اس کھانے والے کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہو کہ وہ کھانے کی دعوت دے تو بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے لیکن عام حالات میں اگر کھانے والے کو سلام کیا جائے تو اس پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہو گا۔

(۶) اگر خطیب جمعہ یا عیدین کے دن خطبہ دینے میں مشغول ہے اور لوگ خطبہ سن رہے ہیں تو خطیب کو یا سننے والے لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے اور جواب دینا بھی مشہور قول کے مطابق مکروہ ہے کیونکہ خطبہ کے وقت انصات یعنی چپ رہنے اور سننے کا حکم ہے کمافی قولہ تعالٰی واذا قرئی القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔

یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت خطبہ سننے کے حکم کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

(۷) اگر کوئی شخص تلاوت قرآن میں مشغول ہے تو اس کو بھی سلام نہیں کرنا چاہئے۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر تلاوت کرتے ہوئے کسی کو سلام کیا تو اس کے لئے جواب میں اشارہ کافی ہے اور اگر زبانی جواب دیا تو پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ دوبارہ پڑھ کر تلاوت شروع کرنا چاہئے۔ امام نوویؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر دوران تلاوت سلام کیا جائے تلاوت کرنے والے پر زبان سے جواب دینا ضروری ہے۔

علامہ شامیؒ نے "باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیہا" میں ان تمام اشخاص و مقامات کو جمع کیا ہے جہاں سلام کرنا مکروہ ہوتا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ نماز پڑھنے والے پر
۲۔ تلاوت قرآن کرنے والے پر
۳۔ ذکر میں مشغول شخص پر
۴۔ حدیث پڑھانے والے پر
۵۔ خطبہ دینے والے پر
۶۔ کتب دینیہ کا تکرار و مذاکرہ کرنے والے پر
۷۔ فیصلہ کے لئے بیٹھے ہوئے شخص پر۔
۸۔ موذن پر بوقت اذان
۹۔ اقامت کرنے والے پر
۱۰ مدرس (جبکہ وہ درس دینے میں مشغول ہیں)
۱۱۔ اجنبی لڑکیوں پر
۱۲۔ شطرنج کھیلنے والے شخص پر

۱۲۔ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ جماع میں مشغول ہو۔
۱۴۔ کافر شخص پر
۱۵۔ مکشوف العورۃ شخص پر یعنی جس کے ستر کا حصہ کھلا ہوا ہو۔
۱۶۔ کھانے پینے میں مصروف شخص پر
۱۷۔ قضائے حاجت کرنے والے پر
۱۸۔ استاذ کے سامنے بیٹھے ہوئے طالب علم پر
۱۹۔ گانے والے شخص پر
۲۰۔ کبوتر باز پر
۲۱۔ زندیق شخص پر
۲۲۔ مزاح کرنے والے شخص پر
۲۳۔ لغو اور فضول باتیں کرنے والے پر
۲۴۔ جھوٹے شخص پر
۲۵۔ جو شخص قصداً اجنبی عورتوں کو دیکھتا ہو۔
۲۶۔ گالیاں دینے والے شخص پر
۲۷۔ مسجد میں بلا تحقیق باتیں کرنے والوں پر (سنی سنائی باتیں بیان کرنے والے)
۲۸۔ تلبیہ پڑھنے والے شخص پر

(درمختار مع الشامی ص ۲۱۷ ج ۱ باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا)

درمختار اور شامی میں لکھا ہے کہ مندرجہ ذیل لوگوں پر سلام کا جواب دینا (جب ان کو سلام کیا جائے) ضروری نہیں،

۱۔ قاضی پر خصمین کے سلام کا جواب۔
۲۔ استاذ فقیہ پر اگر شاگرد دوران درس سلام کریں
۳۔ سائل کے سلام کا جواب
۴۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے پر
۵۔ دعا میں مشغول شخص پر۔
۶۔ مسجد میں ذکر و تلاوت کے لئے بیٹھے ہوئے لوگوں پر جب وہ ذکر میں مشغول ہوں

۷۔ امام، موذن اور خطیب پر (جب کہ وہ اپنے فریضہ میں مشغول ہوں)

جلال الدین سیوطی نے ان مواضع کو اشعار میں جمع فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ مندرجہ ذیل لوگوں پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔

۱۔ جو نماز پڑھ رہا ہو۔
۲۔ جو کھانے پینے میں مشغول ہو۔
۳۔ تلاوت کرنے والا
۴۔ دعا میں مشغول شخص پر۔
۵۔ ذکر میں مشغول شخص پر
۶۔ خطبہ میں مشغول شخص پر
۷۔ تلبیہ پڑھنے والے پر
۸۔ جو کسی شخص کی ضرورت پوری کرنے میں مصروف ہو۔
۹۔ اقامت کرنے والے پر
۱۲۔ اذان دینے والے پر
۱۳۔ اگر بچے کو سلام کیا جائے تو اس پر جواب دینا واجب نہیں۔
۱۴۔ سلام کرنے والا اگر نشہ میں ہو۔
۱۵۔ نوجوان لڑکی ہو اور فتنہ کا خوف ہو۔
۱۶۔ سلام کرنے والا فاسق ہو۔
۱۷۔ جس کو سلام کیا جائے اگر وہ اونگھ رہا ہو۔
۱۸۔ جس کو سلام کیا جائے اگر وہ سو رہا ہے۔
۱۷۔ جس پر سلام کیا گیا ہے اگر جماع پر مشغول ہو۔
۱۸۔ اگر کسی کے فیصلہ کرنے میں مشغول ہے۔
۱۹۔ غسل کرنے میں مشغول ہے۔
۲۰۔ یا مجنون ہے۔

(ردالمختار ص ۲۱۸ ج ۱، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا)

مصافحہ اور معانقہ کے فضائل و احکام

حضرت حذیفہؓ بن الیمان نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جب کوئی مومن دوسرے مومن سے ملاقات کرتا ہے اور اس کو سلام کرتا ہے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح خزاں رسیدہ درخت کے پتے گرتے ہیں۔

حضرت سلمانؓ الفارسی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے ملتا ہے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس سے مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے سوکھے پتے تیز ہوا میں گرتے ہیں اور دونوں کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں اگرچہ گناہ دریا کے جھاگ جتنے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت انسؓ بن مالک سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ جب ہم میں سے کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی یا دوست سے ملے تو کیا بوقت ملاقات سر جھکائے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز نہیں پھر پوچھا کہ کیا اس کو چمٹ کر چوم لے؟ فرمایا نہیں پھر پوچھا کہ کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے مصافحہ کرلے؟ فرمایا ہاں۔

اس حدیث میں چمٹنے اور بوسہ لینے کو منع کیا گیا ہے لیکن معانقہ کرنا دوسری احادیث کی رو سے جائز ہے اور چومنا بھی بعض صورتوں میں جیسے بچوں کا ماں باپ یا علماء اور بزرگوں کے ہاتھ اور پیشانی وغیرہ کا چومنا یا ماں باپ اور بزرگوں کا اپنے بچوں کو چومنا البتہ کسی اجنبی عورت یا نابالغ لڑکے وغیرہ کا چومنا خواہ بڑا بھی ہو اگر بقصد شہوت ہو تو جائز نہیں ہے۔ معانقہ کرنا شرعاً جائز اور ثابت ہے البتہ عورت سے اور کسی نابالغ لڑکے سے بقصد تلذذ جائز نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ زید بن حارثؓ کسی سفر سے مدینہ منورہ واپس آئے نبی اکرم ﷺ کو جب ان کے آنے کی اطلاع ملی آپ گھر میں تھے اٹھ کر دوڑتے ہوئے اس حال میں گئے کہ بدن کے اوپر کے حصے پر جو چادر تھی اس کے اٹھانے اور بدن پر صحیح کرنے کی نوبت بھی نہیں آئی بلکہ کپڑے زمین پر کھینچتے ہوئے باہر آئے اور معانقہ کر کے ان کو چوما۔

حضرت سعید بن اسحاق سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میں حضرت امام مالک بن انس کے ہاں گھر میں بیٹھا تھا۔ مشہور محدث حضرت سفیانؒ بن عیینہ ان کے گھر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت طلب کی امام مالکؒ نے فرمایا کہ سفیان نیک آدمی ہیں اور سنت پر عمل کرنے والے ہیں اندر لے آؤ چنانچہ جب سفیانؒ بن عیینہ اندر امام مالکؒ کی مجلس میں پہنچے تو سلام کیا امام مالکؒ نے سلام کا جواب دیا۔

امام مالکؒ نے مصافحہ کر کے فرمایا کہ اگر معانقہ کرنا بدعت نہ ہوتا تو میں آپ سے معانقہ بھی کرتا۔ سفیانؒ بن عیینہ نے فرمایا کہ معانقہ کرنا تو نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے جو مجھ سے اور آپ سے بہتر و افضل تھے۔

امام مالکؒ نے پوچھا کہ کیا تمہارا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جس میں منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جعفرؓ سے معانقہ کیا۔ سفیانؒ نے فرمایا کہ ہاں امام مالکؒ نے فرمایا کہ یہ تو ایک خاص تعلق کا معاملہ تھا اس سے عام حکم ثابت نہیں ہوگا حضرت سفیانؒ نے فرمایا کہ جس بنیاد پر یہ حکم جعفرؓ کے لئے عام اور جائز تھا اس بنیاد پر ہمارے لئے بھی عام اور جائز ہوگا اور جس خصوصیت کی بناء پر یہ حکم جعفرؓ کے لئے تھا اگر ہم واقعۃً نیک اور صالح ہیں تو وہ خصوصیت ہم میں بھی موجود ہوگی جس کی بناء پر ہمارے لئے بھی یہ جائز ہوگا۔ پھر سفیانؒ بن عیینہ نے امام مالکؒ سے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے اپنی مجلس میں حدیث سنانے کی اجازت دیں گے امام مالکؒ نے فرمایا کہ ہاں اے ابو محمد کیوں نہیں۔ اجازت ملنے کے بعد سفیانؒ بن عیینہ نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث سائی عبد اللہ بن طاؤس نے اپنے والد سے نقل کر کے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت جعفر ہجرت حبشہ سے مدینہ منورہ واپس آئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے معانقہ کیا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ جعفر سب سے زیادہ جسمانی اور اخلاقی لحاظ سے مجھ سے قریب اور مشابہ ہے۔

سلام کرنے کے آداب

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سوار کو چاہئے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔ (متفق علیہ)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ چھوٹا بڑوں کو سلام کرے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک دوسری حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی مجلس میں جائے تو سلام کیا کرے پھر جب اس مجلس سے اٹھنا چاہے تو سلام کرے اول سلام دوسرے سے زیادہ ضروری نہیں ہے یعنی دونوں یکساں طور پر ضروری ہیں۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان احادیث میں بیان کردہ احکام پر عمل کرے اور اپنی معاشرتی زندگی ان احکام کے مطابق گذارے اور خاص کر سلام کرنے کے معاملے میں ہرگز بخل سے کام نہ لے ہر مسلمان کو سلام کرنے میں سبقت کرے۔

امام بخاری نے ادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ سب سے بخیل اور کنجوس آدمی وہ ہے کہ جو سلام کرنے میں بخل سے کام لے اور سب سے عاجز آدمی وہ ہے کہ جو دعا کرنے سے بھی عاجز ہو جائے۔

فاسق کو از خود ابتداءً سلام نہیں کرنا چاہئے۔ امام بخاری نے ادب المفرد میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ شراب پینے والے پر سلام نہ کیا کرو۔

جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ بدعت کرنے والے اور فاسق کو از خود سلام نہیں کرنا چاہئے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی فاسق آدمی ایسا ہو کہ اس کو سلام نہ کیا جائے تو کسی دینی یا دنیوی نقصان کا احتمال ہو مثلاً یہ کہ کوئی فاسق حاکم ہے تو پھر جان یا مال کے خوف سے اس کو سلام کرنا جائز ہو گا۔

ابن العربی نے لکھا ہے کہ ایسے موقع پر بھی اس فاسق کو سلام کرنے کی نیت نہ کرے بلکہ ذکر کی نیت سے یہ الفاظ کہے کیونکہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء میں سے ایک نام ہے تو گویا کہ سلام کرنے والا یوں کہہ رہا ہے کہ اللہ تم پر نگہبان ہے یعنی تمہارے اعمال واقوال کو دیکھ رہا ہے۔ مہلب کا قول ہے کہ گناہ کرنے والوں کو سلام نہ کرنا ہمارے بزرگوں اور اسلاف کا طریقہ رہا ہے اسی طرح سلام نہ کرنے کا قول اہل بدعت سے متعلق بھی ہے۔

احناف کا قول یہ ہے کہ جیسے گناہ اور بدعت کرنے والوں کو سلام نہیں کرنا چاہئے اسی

طرح جو شخص مروت اور آداب شرفاء کے منافی عمل کرتا ہو اس کو بھی سلام نہیں کرنا چاہئے۔ مثلاً زیادہ مزاح، فحش گوئی، بازاروں میں بے مقصد گھومنا پھرنا اور عورتوں کو دیکھنا یہ سب امور ایسے ہیں کہ جو لوگ ان میں مبتلا ہوں ان کو بھی سلام نہیں کرنا چاہئے۔

امام بخاری نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں حضرت علی بن ابی طالب کی روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کا گذر ایسی مجلس پر ہوا کہ جس میں ایک آدمی زعفران کا رنگ اور خوشبو بدن پر لگائے ہوئے تھا۔ (جیسے عورتیں سرخی وغیرہ لگاتی ہیں) تو آپ نے باقی مجلس والوں کو سلام کرتے ہوئے ان سے باتیں کیں لیکن اس آدمی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اس نے اس کی شکایت کی کہ آپ نے مجھ سے اعراض فرمایا آپ نے فرمایا کہ تیری پیشانی پر آگ کا انگارہ ہے یعنی اس کے بدن پر جو رنگ لگا تھا یہ چونکہ عورتوں کا طریقہ تھا۔ مردوں کے لئے سرخی پوڈر اور رنگ والی خوشبو چونکہ جائز نہیں ہے اس لئے اس کو تعبیر آپ نے آگ کے انگارے سے کی۔

ہاتھ چومنے سے متعلق "الادب المفرد" کی شرح میں لکھا ہے کہ کسی دیندار اور نیک آدمی کے ہاتھ کو اس کی نیکی اور بزرگی کی بنا پر چومنا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی دیندار حاکم ہے اور جو عادل ہے اور عدل کے احکام پر عمل کرتا ہے تو اس کا ہاتھ چومنا جائز ہے۔ اور اس کے سر یا پیشانی کو بوسہ دینا بھی جائز بلکہ باعث ثواب ہے۔ البتہ عالم اور بزرگ یا عادل بادشاہ کے علاوہ دوسروں کا ہاتھ چومنا یا کسی دنیوی غرض اور خواہش کی بنا پر کسی کا ہاتھ چومنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب "المحیط" میں لکھا ہے کہ اگر کسی کی تعظیم (یعنی ہاتھ اور پیشانی چومنا) ان کے اسلام اور بزرگی کی وجہ سے کی جائے تو جائز بلکہ مستحسن ہے البتہ اگر دنیا کے حصول کے لئے ایسا کیا جائے تو مکروہ بلکہ بعض صورتوں میں حرام ہے۔ ہاتھ چومنا کسی کی نیکی کی بنا پر بالاجماع جائز ہے البتہ جہاں ہاتھ چومنے میں شہوت یا کسی فتنہ کا خوف ہو تو جائز نہیں ہو گا۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کسی سے ہاتھ ملانے کے بعد اپنا ہاتھ چومتے ہیں یہ مکروہ ہے اور شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

کسی بے دین آدمی کا ہاتھ چومنا [illegible] اور صالح ہو عادل ہو اور اس سے آئندہ کسی صلاح اور نیکی کی امید ہو تو مباح مکروہ ورنہ ناجائز ہے۔

امام نووی نے لکھا ہے کہ اگر کسی آدمی کا ہاتھ اس کے زہد تقویٰ اور علم و عزت وغیرہ کی بناء پر چوما جائے تو جائز بلکہ کار ثواب ہے، البتہ اگر کسی دنیوی غرض کی وجہ سے ایسا کیا جائے تو پھر مکروہ ہے یعنی دینی اغراض کی وجہ سے کسی کا ہاتھ چومنا مستحب ہے اور دنیوی اغراض کی وجہ سے مکروہ ہے۔ دنیوی اغراض کی مثالیں مثلاً مالداری یا کسی دنیوی منصب و حکومت کی شان و شوکت یا کسی طمع اور لالچ وغیرہ کی بناء پر کسی کا ہاتھ چومنا۔

علامہ المتولی نے لکھا ہے کہ کسی کا ہاتھ چومنا جائز نہیں ہے گویا ان کے نزدیک حرام ہے کما قال الطیبی لیکن اس سے مراد بھی وہی دنیوی اغراض کی وجہ سے ہے۔

"الابداع فی مضار الابتداع" نامی کتاب کے مصنف شیخ علی محفوظ نے لکھا ہے کہ جو آدمی یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے ہاتھ چوم لیا کریں تو ایسے آدمی کے ہاتھ چومنا بالاتفاق منع ہے جیسے کوئی شخص اگر یہ چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے لے کھڑے ہو جایا کریں تو اس کے لئے مجلس میں کھڑا ہونا جائز نہیں ہے البتہ عالم کے علم کی وجہ سے کسی بزرگ کی بزرگی اور صلاح کی وجہ سے والد کی عزت و کرامت کی وجہ سے ہاتھ یا پیشانی چومنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ لوگ خود اس کا تقاضہ نہ کریں اور نہ اس عمل کو اپنے لئے پسند کریں جیسے منقول ہے کہ بعض صحابہ نبی اکرم ﷺ کا ہاتھ چوما کرتے تھے اسی طرح بعض صحابہ بھی ایک دوسرے کا ہاتھ بوقت مصافحہ چوم لیا کرتے تھے، اسی طرح تابعین اور بعض دوسرے اسلاف سے بھی منقول ہے۔

شیخ محمود شلتوت نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ بوقت ملاقات ہاتھ چومنا پرانی عادات میں سے ہے یہ مطلقاً جائز بھی نہیں اور مطلقاً ناجائز بھی نہیں ہے بلکہ بعض صورتیں اس کی انتہائی قبیح بری اور ناجائز اور بعض صورتیں بہتر اور جائز ہیں لیکن عام لوگ اپنی عادات اور کچھ دوسری وجوہات کی بنا پر خواہشات نفسانیہ کی بناء پر جائز و ناجائز صورتوں میں فرق نہیں کرتے ہیں حالانکہ بعض صورتیں شریعت کی نظر میں ناجائز و حرام ہیں اور مروت و شرافت کے بھی خلاف ہیں بلکہ آدمی کو کفر کی چوکھٹ تک پہنچا دیتی ہیں اور بعض صورتیں شریعت کی نظر میں جائز، بہتر اور مستحسن و مستحب ہیں مثلاً بعض لوگ کسی کا پیر چومتے ہیں یا پرانے زمانے میں اور اب بھی بعض علاقوں میں بادشاہ اور وزراء وغیرہ کے سامنے جھک کر زمین چومتے ہیں جو ناجائز و حرام ہے بلکہ اگر سجدہ کی صورت بن جائے تو کفر کا خطرہ ہے

اسی طرح بعض علماء والدین یا بزرگوں کے ہاتھ چومتے ہیں جو جائز ہے۔ بعض لوگ اجنبی عورتوں اور لڑکیوں کے ہاتھ مختلف اغراض فاسدہ کے تحت چومتے ہیں جو خالصتاً حرام ہے، اس قسم کے امور عام مجمعوں اور دعوتوں وغیرہ میں پیش آتے ہیں اور لوگ اپنی عادات کی بناء پر ان امور کا ارتکاب کرتے ہیں جبکہ بعض لوگ تو اس قسم کے قبیح امور کے ترک کرنے پر طعن و تشنیع کرتے ہیں حالانکہ شرعی احکام و نصوص کا تقاضہ یہ ہے کہ جو کام جائز ہو اس کو کیا جائے اور جو امور ناجائز ہوں ان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس مسئلے میں اصول یہ ہے کہ ہاتھ چومنے کا باعث اور سبب کو دیکھا جائے کہ کس سبب کی وجہ سے ایک آدمی دوسرے کا ہاتھ چوم رہا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ کبھی تو لوگ اپنے عجز اور کمزوری اور دوسرے کی عظمت و بڑائی کے اظہار کے لئے یہ عمل کرتے ہیں تاکہ یہ واضح کر دیں کہ ہاتھ چومنے والا اپنے آپ کو عاجز اور کمزور سمجھ رہا ہے اور جس کا ہاتھ چوم رہا ہے اس کو بڑا طاقت ور عظیم سمجھ رہا ہے اور دوسروں پر بھی اس کو ظاہر کرنا چاہتا ہے اور کبھی سلام کر کے در پردہ اپنی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے اور کبھی کسی کی دینی عظمت و رحمت و شفقت اور دینی فضیلت کے اعتراف کے طور پر ایسا کرتا ہے تو غرض یہ کہ اس عمل کے اسباب مختلف ہوتے ہیں اگر باعث اور سبب شریعت کی نظر میں مبغوض اور ناجائز ہو تو یہ عمل بھی ناجائز اور مبغوض ہوگا جیسے بادشاہوں، حاکموں، وزراء، امراء اور بعض جعلی پیروں اور صوفیوں کے سامنے زمین چومنا یا ان کا ہاتھ پیر پیشانی یا اور کوئی عضو چومنا، تو ان تمام صورتوں کو علماء نے حرام قرار دیا ہے اس لئے اس عمل کو کرنے والا اور جو اس عمل پر خوش اور راضی ہو دونوں گناہگار ہوں گے کیونکہ زمین وغیرہ چومنا عبادت کے مشابہ عمل ہے اور بت پرستی کے مظاہر میں سے ہے۔

اجنبی عورت کا ہاتھ رخسار یا اور کوئی عضو، چومنا چاہے بڑی عمر کی عورت ہو یا نو عمر ہو، اجنبی مردوں کے لئے ناجائز اور حرام ہے اس عمل کا کرنے والا اور اس پر خوش اور راضی ہونے والا دونوں گناہگار ہوں گے۔ اگر کسی عمل کا باعث و سبب شریعت کی نظر میں ممنوع نہ ہو تو یہ عمل بھی شرعاً جائز ہوگا جیسے کہ کسی بزرگ صالح اور متقی شخص۔ عالم (جو اپنے علم پر عمل بھی کرتا ہو) یا عادل اور خدا ترس احکام الٰہی پر عمل کرنے والے حاکم کی تعظیم کرنا اور ان کا ہاتھ یا پیشانی چومنا اسی طرح اپنے والدین کا ہاتھ اور پیشانی چومنا

مستحب ہے لیکن یہ خیال رکھنا چاہیے کہ عالم کا ہاتھ چومنا تب جائز ہوگا جب وہ حقیقتاً عالم ہو اور خود بھی اپنے علم کے تقاضوں اور قرآن و سنت پر عمل کرنے والا ہو۔

اسی طرح حاکم عادل ہو کہ اس کے عدل و انصاف کی وجہ سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو اور وہ قرآن و سنت کے احکام کا خود بھی پابند ہو اور حکومت کے امور اور فیصلے بھی شریعت کے مطابق کرتا ہو۔ بزرگ کے لئے بھی یہ تعظیم تب جائز ہے جب کہ واقعۃً وہ بزرگ اور قرآن و سنت کا عالم و عامل ہو۔

بدعات و شرکیات اور خرافات سے مجتنب اور متبع ہو حاشی صوفی نہ ہو جیسے کہ آج کل کے بعض صوفیا ہوتے ہیں جو حقیقۃً تصوف و بزرگی سے کورے ہوتے ہیں۔

والدین کی تعظیم آدمی پر لازم ہے اور دوسروں کے بنسبت ان کا حق سب سے زیادہ ہے کہ آدمی ان کا ہاتھ چومے ان کے لئے اٹھ کر کھڑا ہو اور ان کی خدمت کرے جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيراً۔

"جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر نیاز مندی سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انھوں نے مجھ کو چھوٹا۔"

(سورۃ بنی اسرائیل، ترجمہ شیخ الہند)

یعنی اے رب جب میں بالکل کمزور و ناتواں تھا تو انھوں نے میری تربیت میں خون پسینہ ایک کر دیا اپنے خیال کے موافق میرے لئے ہر ایک راحت و خوبی کی فکر کی ہزارہا آفات و حوادث سے بچانے کی کوشش کرتے رہے بارہا میری خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈالی آج ان کی ضعیفی کا وقت آیا ہے تو جو کچھ میری قدرت میں ہے ان کی خدمت و تعظیم کرتا ہوں لیکن پھر بھی پورا حق ادا نہیں کر سکتا، اس لئے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں اور موت کے بعد ان پر نظر رحمت فرما۔

اسی طرح اس سے اگلی آیت میں اس کا بیان ہے کہ والدین کی تعظیم اور فرمانبرداری اور ان کے سامنے تواضع اور فروتنی صمیم قلب اور اخلاص سے ہونی چاہئے صرف ظاہری تعظیم کافی نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کون دل سے اخلاص کے ساتھ ماں باپ کی خدمت کرتا ہے اگر واقعۃً تم نیک اور سعادت مند ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

کر کے اخلاص و حق شناسی کے ساتھ ان کی خدمت [illegible] کچھ کوتاہی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ تمہارے اخلاص کی وجہ سے [illegible] اور [illegible] معاف کرنے والا ہے۔ [illegible] کسی وقت [illegible] اور طبیعت کی تنگی کی وجہ سے کچھ خدمت میں کمی [illegible] تم توبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع [illegible] ہے۔ یہ بات معلوم ہو گئی [illegible] والدین کی فرمانبرداری اور اطاعت لازمی ہے [illegible] شریعت کی نظر میں جائز نہیں ہے ان میں والدین کی اطاعت و فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔ [illegible] کام میں شبہ ہو کہ یہ جائز ہے یا نہیں [illegible] والدین کی حالت [illegible] علماء سے معلوم کرنا چاہئے۔

شیخ شلتوت نے لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے تقبیل یعنی بوسے کے مختلف مراتب و مواقع اور احکام سے متعلق مندرجہ ذیل [illegible] لکھا ہے کہ

۱۔ ایک والد کا اپنے بچوں کو یا کسی اور کے [illegible] شیر خوار بچے کو چومنا یہ تو مودت و محبت اور شفقت کی وجہ سے ہوتا ہے [illegible]

۲۔ ایک والدین کی تعظیم و احترام کی وجہ سے چومنا ہوتا ہے [illegible] چاہئے [illegible] سر کو بوسہ دے۔

۳۔ شفقت کی وجہ سے بھائی یا دوست کا چومنا یہ پیشانی پر ہوا جاتا ہے۔

۴۔ ایک شہوت کی وجہ سے چومنا ہے جو صرف منکوحہ بیوی کا ہوتا ہے [illegible] پر ہوتا ہے۔

۵۔ ایک تعظیم کے طور پر چومنا ہوتا ہے [illegible] عالم [illegible] ہاتھ کا ہوتا ہے۔

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ [illegible] عمل جائز ہے [illegible] اپنے عقل یا عادات و رسوم و رواجات یا خواہشات نفسانی کے تحت [illegible] احکام پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ اس میں بھلائی اور خیر ہے۔ مسائل اور حلال و حرام معلوم ہونے کے بعد بھی عمل

نہ کرنا انتہائی خسارے اور نقصان کی بات ہے۔

اس طرح یہ بھی لازم ہے کہ آدمی کے دل میں یہ خواہش ہرگز نہیں ہونی چاہئے کہ لوگ اس کے ہاتھ چومیں کیونکہ شرعاً اس قسم کی خواہش بھی حرام ہے۔

انا لا ارضی بتقبیل ید

قطعها اجمل من تلک القبل

"میں راضی اور خوش نہیں ہوں ہاتھ چومنے سے بلکہ اس ہاتھ کا کٹ جانا زیادہ بہتر ہے ان بوسوں سے"

و ایاک ان ترضی بتقبیل راحة

فقد قیل عنها انها السجدة الصغری

"اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کہ تم (اپنے سامنے) زمین چومے جانے پر خوش ہو کیونکہ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ چھوٹا سجدہ ہے"

تعظیم کے لئے اٹھنے کا حکم

تعظیم کے لئے مجلس میں کسی شخص کے آنے پر اٹھنے کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ بعض صورتوں میں جائز ہے جیسے کہ بعض احادیث میں منقول ہے اور بعض صورتوں میں ناجائز ہے۔

الابداع فی مضار الابتداع نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے اور خواہش کرے کہ جب وہ مجلس میں آئے تو لوگ اس کے لئے اٹھیں تو ایسے شخص کے لئے تعظیماً اٹھنا ہرگز جائز نہیں ہے اگرچہ والدین اساتذہ اور مشائخ میں سے بھی کوئی اس کی خواہش کرے۔ جن لوگوں نے مطلقاً اس قسم کے قیام اور تعظیم کا جواز بلکہ استحباب لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے احادیث مبارکہ میں اس کی ممانعت منقول ہے، البتہ اگر کسی شخص سے مصافحہ یا معانقہ کے لئے یا کسی کو رخصت کرنے کے لئے اٹھے اور اس کے ساتھ کچھ دور تک چلے تو یہ جائز ہے اسی طرح کوئی سفر سے واپس آئے اور اس کے استقبال کے لئے اٹھے تو بھی جائز ہے، یا بیٹھنے کی جگہ تنگ ہو اور اس لئے اٹھا کہ دوسروں کو بیٹھنے کا موقع ملے یا مجلس وسیع ہو جائے یہ بھی جائز ہے، یعنی

جہاں اٹھنے میں شرعی مصلحت ہو یا کوئی سبب تعظیم کے علاوہ موجود ہو تو جواز میں کلام نہیں۔ اسی طرح کسی عالم یا بزرگ یا عادل حاکم کی تعظیم کے لئے اٹھنا یا کسی کی خالص جائز محبت کی وجہ سے اس کے لئے اٹھنا اور جس کے لئے کھڑا ہو رہا ہے ان کے دل میں اس کی خواہش بھی نہ ہو تو جائز ہے البتہ ان صورتوں کے علاوہ بدعت یا خواہش نفس کے طور پر حکم شرعی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی کے لئے اٹھنا جائز نہیں ہے نہ اس سلسلے میں کسی کے غلط فتوے پر حدیث کے خلاف عمل کرنا جائز ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الادب المفرد میں ابو مجلزؒ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ امیر المومنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان گھر سے نکل کر مجلس میں تشریف لائے مجلس میں پہلے سے حضرت عبداللہ بن عامر اور حضرت عبداللہ بن زبیر بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت معاویہؓ کے مجلس میں آنے پر عبداللہ بن عامر ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور حضرت عبداللہؓ بن زبیر بیٹھے رہے کیونکہ ان کا بدن بھاری بھی تھا حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو اس بات سے خوش ہوتا ہو کہ اللہ کے بندے اس کے لئے اٹھ کر کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنائے یعنی ایسی خواہش رکھنے والے آدمی کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔

عورت کے متعلق سلام کے بعض احکام

"الادب المفرد" کی شرح میں لکھا ہے کہ اجنبی جوان عورت کی چھینک کا جواب دینا بھی جائز نہیں یعنی اگر اس کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہہ دے تو اجنبی مرد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ جواب میں اونچی آواز سے یرحمک اللہ کہہ دے۔ اسی طرح اس کو سلام کرنا اور اس کے سلام کا جواب دینا بھی زبان سے جائز نہیں ہے کیونکہ اس عمل سے بعض دفعہ آدمی فتنہ میں واقع ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی اجنبیہ عورت کسی اجنبی مرد کو سلام کرے تو اگر وہ بوڑھی عورت ہی تو زبان سے اتنی اونچی آواز سے جواب دینا جائز ہوگا کہ وہ سن سکے اور اگر وہ نوجوان عورت ہے تو دل میں اس کے سلام کا جواب دیا جائے زبان سے اونچی آواز کے ساتھ جواب دینا جائز نہیں کیونکہ اس میں خوف فتنہ ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اجنبی مرد کسی اجنبیہ عورت کو سلام کرے تو بوڑھی عورت آواز سے

سلام کا جواب دے اور نوجوان عورت دل میں سلام کا جواب دے زبان سے ہرگز نہ دے۔

اخیر میں ہم سب مسلمانوں کی خدمت میں سلام کی فضیلت اور اس کے عام کرنے کی فضیلت کے متعلق ایک حدیث نقل کرتے ہیں تاکہ ہم سب کو سلام کے عام کرنے کا شوق اور ولولہ پیدا ہو جس پر ثواب بھی ملے گا اور مسلمانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت بھی پیدا ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سلام اللہ تبارک و تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کے فائدے کے لئے زمین میں اتارا ہے لہذا تم اس کو آپس میں ایک دوسرے کے لئے استعمال کر کے عام کرو جب کوئی مسلمان آدمی مسلمانوں کی کسی مجلس سے گذرتا ہے اور ان کو سلام کرتا ہے اور وہ سب جواب دیتے ہیں تو سلام کرنے والے کو ایک درجہ فضیلت زیادہ ملتی ہے کیونکہ اس نے سلام کر کے ان کو سلام یاد دلایا اور کوئی شخص کسی مجلس میں سلام کرے اور مجلس والے جواب نہ دیں تو وہ لوگ (یعنی فرشتے) جواب دیتے ہیں جو اس مجلس والوں سے بہتر ہوتے ہیں۔

دوسرا حق، عیادت مریض

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہوتے ہیں ان میں سے دوسرا حق مریض کی عیادت ہے جیسے کہ کتاب کی ابتداء میں جو حدیث نقل کی گئی تھی اس میں مذکور تھا۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ بیماری میں مسلمان کی بیمار پرسی کرنا سنت مؤکدہ ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ بیماری کے پہلے دن بیمار کی عیادت کرنا سنت ہے اور اس کے بعد پھر مستحب اور بہتر ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ بیمار پرسی واجب ہے ایک اور عالم ابن حمدان فرماتے ہیں کہ فرض کفایہ ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے جو واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ پانچ چیزیں مسلمانوں کے حقوق کے طور پر دوسرے مسلمانوں پر واجب ہیں۔

۱۔ سلام کا جواب دینا۔

۲۔ چھینکنے والے کے چھینک کا یرحمک اللہ کہہ کر جواب دینا بشرطیکہ اس نے چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہا ہو۔

۳۔ اگر کوئی مسلمان دعوت کے لئے بلائے تو اس کی دعوت قبول کرنا۔

۴۔ مریض کی عیادت کرنا

۵۔ مسلمان کے جنازے کے ساتھ قبرستان تک جانا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بھوکے کو کھانا کھلاؤ مریض کی عیادت کرو اور مسلمان قیدیوں کو کفار کی قید سے چھڑاؤ۔

ان دونوں احادیث سے اگرچہ اس عمل کا واجب اور ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں واجب کا لفظ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی حدیث میں امر کا صیغہ مزید ترغیب کے لئے ہے اس سے اصطلاحی واجب ہونا مراد نہیں ہے البتہ اس عمل کی اہمیت اور اہتمام واضح کرنے کے لئے تاکیداً واجب کا لفظ اور امر کا صیغہ ذکر کر دیا ہے ورنہ یہ عمل مستحب اور افضل و بہتر تو ہے لیکن واجب نہیں ہے البتہ اگر بعض دوسرے خارجی عوامل ہوں تو پھر ضروری ہوتا ہے جیسے کہ اگر کوئی قریبی رشتہ دار بیمار ہے اگر اس کی بیمار پرسی نہ کی جائے تو وہ ناراض ہو جائے گا اور قطع رحمی ہونے کا احتمال ہو یا کوئی بڑا بیمار ہو جس کی بیمار پرسی میں عیادت کرنے والے کے لئے فائدہ اور راحت ہو تو یہ عیادت ان خارجی عوامل کی وجہ سے ضروری ہو گا بعض جگہ صرف مسنون ہوتا ہے۔ جیسے عام حالات میں عام مسلمانوں کی بیمار پرسی اور بعض جگہ صرف مباح ہوتا ہے جیسے کسی فاسق و فاجر کی بیمار پرسی خصوصاً جبکہ اس آدمی سے بیمار پرسی نہ کرنے کی صورت میں ضرر کا اندیشہ ہو امام نووی نے اس عمل کے واجب نہ ہونے پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ سے آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ ہر مریض کی عیادت کرو اس حدیث سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ ہر مریض کی عیادت کرنی چاہئے۔

ایک حدیث میں آشوب چشم والے مریض کی عیادت کے متعلق نبی کریم ﷺ کا عمل منقول ہے چنانچہ حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے میری عیادت کی جبکہ میری آنکھوں میں تکلیف تھی۔

ایک دفعہ عیادت پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ بار بار عیادت کرنی چاہئے اور اگر مریض کی کوئی ضرورت ہو تو اس کو بھی پورا کرنا چاہیے۔

اس سے مریض کو نشاط اور خوشی حاصل ہوتی ہے جس سے اس کی قوت لوٹ کر آتی ہے۔ چنانچہ گذشتہ حدیث میں عیادت کا عمومی حکم تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ سے بیمار پرسی کے فضائل منقول ہیں نیز یہ کہ آپ نے امت مسلمہ کو اس کی ترغیب دی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن بندے سے ارشاد فرمائیں گے کہ میں بیمار ہوا تھا تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب میں کیسے آپ کی عیادت کرتا جبکہ آپ تمام جہانوں کے رب ہیں (یعنی یہ کہ نہ آپ پر بیماری آتی ہے اور نہ آپ کی عیادت ممکن ہے) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے ہاں موجود پاتا۔ پھر ارشاد فرمائیں گے کہ اے آدم کی اولاد میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب میں کیسے آپ کو کھانا کھلاتا آپ رب العالمین ہیں (یعنی کھانا کھانے سے آپ کی ذات پاک ہے اور نہ میرے لئے یہ ممکن تھا) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ اگر تم اس کو کھانا کھلا دیتے تو اب تم اس کھانے کو میرے ہاں پاتے۔ پھر ارشاد فرمائیں گے کہ اے انسان میں نے تم سے پانی مانگا لیکن تم نے مجھے پانی نہیں پلایا بندہ عرض کرے گا اے میرے رب میں کیسے آپ کو پانی پلاتا جبکہ آپ رب العالمین ہیں یعنی نہ آپ کو پانی پینے کی حاجت پیش آتی ہے اور نہ میرے لئے یہ ممکن تھا اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اب اس کا اجر و ثواب میرے پاس سے پاتے۔

اب اس حدیث میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بندے کے مرض کی نسبت اپنی طرف کی

ہے حالانکہ وہ مرض بندے کا تھا یہ صرف بندے کی عزت اور عیادت کی ترغیب کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان اعمال کا ثواب اور ان اعمال کی وجہ سے تجھے میرے پاس عزت ملتی۔

حضرت ثوبانؓ نے نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا جب کوئی مسلمان آدمی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو جب تک وہ عیادت میں مشغول ہوتا ہے ایسا ہے کہ گویا جنت کی نعمتوں میں ہے جب تک وہ لوٹ کر واپس نہ آجائے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ جنت کی نعمتوں سے کیا مراد ہے فرمایا اس کے باغات اور پھل فروٹ و ثمرات۔

مطلب یہ ہے کہ اس عمل کے ذریعے آدمی جنت اور اس کی نعمتوں کے حاصل کرنے کا مستحق بن جاتا ہے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ارشاد فرما رہے تھے کہ جب کوئی مسلمان صبح کے وقت کسی دوسرے مسلمان کی عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس آدمی کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں اور اگر وہ شام کسی مسلمان بھائی کی عیادت کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں اور اس شخص کے لئے جنت میں پھلوں کا ایک باغ مقرر کیا جاتا ہے۔

آداب عیادت

علامہ سبکی نے اپنی کتاب الدین الخالص میں لکھا ہے کہ کسی مسلمان کی بیمار پرسی کرنے کے بھی کچھ آداب ہیں اگر ان کی رعایت کی جائے تو ثواب میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ یہ آداب بھی احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کے اقوال و اعمال سے ثابت ہیں۔

(۱) جو بھی شخص کسی مسلمان کی عیادت کرے تو مستحب یہ ہے کہ اس کے لئے شفاء کی دعا کرے اور مریض کو صبر کرنے کی تلقین کرے کیونکہ عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص کی روایت میں ہے کہ میرے والد حضرت سعد بن ابی وقاص نے فرمایا کہ ایک دفعہ جب میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا میں مکہ مکرمہ میں بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے اپنا ہاتھ مبارک میری پیشانی پر رکھا میرے سینے اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا پھر فرمایا اے اللہ سعد کو شفا عطا فرما اور اس کی ہجرت کو مکمل فرما یعنی مکہ

کر دے ہجرت کر جانے کے بعد اب ان کو اسی سفر میں موت نہ دے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی کسی ایسے مریض کی عیادت کرے کہ جس کی موت کا وقت ابھی تک نہ آیا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی موت کا فیصلہ نہ ہوا ہو اور یہ عیادت کرنے والا اس کے پاس سات مرتبہ یہ دعا پڑھے۔

اسأل اللہ العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک۔

"میں اللہ سے سوال کرتا ہوں جو عظیم ہیں اور عرش عظیم کے رب ہیں کہ وہ تجھے شفاء عطا کر دے"

تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس شخص کو اس مرض سے شفاء عطا فرما دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب کوئی آدمی کسی مریض کی عیادت کے لئے جائے تو یہ دعا پڑھے۔

اللھم اشف عبدک ینکألک عدوا او یمشی لک الی جنازۃ۔

"اے اللہ اپنے بندے کو شفاء عطا فرما (تاکہ) یہ تیرے دشمن کو زخمی کرے گا یا تیری رضا کے لئے کسی جنازے میں شرکت کرے گا"

یعنی تیری رضا کے لئے تیرے دین کی کوئی خدمت کرے گا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب اپنے گھر میں کسی بیمار کی عیادت کرتے تو دایاں ہاتھ اسکے بدن پر پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے۔

اللھم رب الناس اذھب الباس اشف انت الشافی لاشفاء الا شفاؤک شفاء لایغادر سقما۔

"اے اللہ لوگوں کے رب ختم کر دے اس بیماری کو شفاء عطا فرما تو شفاء دینے والا ہے نہیں شفاء مگر تجھ سے تیری شفاء ایسی شفاء ہے کہ نہیں چھوڑتی کوئی بیماری"

(متفق علیہ)

حضرت انس بن مالکؓ نے ایک دفعہ اپنے دوست اور شاگرد حضرت ثابت البنانیؒ سے فرمایا کہ کیا میں تجھ کو وہ منتر نہ دم کروں جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے۔ حضرت ثابتؒ نے عرض کیا کہ بے شک ضرور دم کیجئے، حضرت انسؓ نے ان الفاظ سے دم کیا۔

اللھم رب الناس مذھب الباس اشف انت الشافی لاشافی الا انت شفاء لایغادر سقما۔

"اے اللہ لوگوں کے رب بیماری ختم کرنے والے شفاء عطا فرما تو شفاء دینے والا ہے نہیں کوئی شفاء دینے والا مگر تو ایسی شفاء عطا فرما کہ جو کسی قسم کی بیماری کو باقی نہ چھوڑے"

حضرت ابو عبداللہ عثمان بن ابو العاصؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی کہ میرے بدن میں درد رہتا ہے۔ آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ بدن کے اس حصے پر ہاتھ رکھ دے جہاں درد محسوس ہوتا ہے اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین دفعہ بسم اللہ اور سات دفعہ یہ دعا پڑھ لو۔

اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر۔

"میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تبارک و تعالیٰ کی عزت و قدرت کے ساتھ اس مرض کی شر سے جو میں محسوس کرتا ہوں اور جس سے میں ڈرتا ہوں"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک دیہاتی کے ہاں اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ جب کسی کے ہاں اس کی عیادت کے لئے جاتے تو فرماتے۔

لاباس طھور ان شاء اللہ

"کوئی بات اور تکلیف نہیں یہ بیماری گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنے گی انشاء اللہ"

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک انصاری صحابی کی عیادت کے لئے گئے جب آپ اس کے قریب پہنچے تو اس پر جھک گئے اور اس کی حالت پوچھی اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں سات رات سے نہیں سویا اور نہ میرے پاس کوئی آیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے بھائی صبر کر پھر ارشاد فرمایا کہ اے بھائی صبر کر تم گناہوں سے اس طرح پاک اور صاف ہو کر نکلو گے جس طرح ان گناہوں میں داخل ہونے سے پہلے پاک و صاف تھے۔ یعنی بیماری کی تکلیف اٹھانے پر اللہ تبارک و تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما دیں گے بشرطیکہ آدمی صبر سے کام لے اور ثواب کی امید رکھے اور بیماری کو برا بھلا نہ کہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں حکم کی شکایت نہ کرے۔

(۳) مریض کی عیادت و بیمار پرسی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ ملاقات کے وقت

مریض سے یوں کہے کہ کوئی بات نہیں انشاء اللہ آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور یہ بیماری آپ کے گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنے گی انشاء اللہ۔

چنانچہ حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ ایک آدمی کے ہاں اس کی عیادت کے لئے گئے تو ارشاد فرمایا کہ

لاباس طهور انشاء الله

"کوئی بات نہیں یہ گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ ہوگا انشاء اللہ"

اس مریض نے کہا کیوں کوئی بات نہیں یہ تو ایسا بخار ہے کہ جو ہانڈی کی طرح جوش مار رہا ہے ایسے آدمی پر جو بوڑھا ہو چکا ہے شاید یہ بخار اس کو قبر کی زیارت کرا دے۔
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا۔

لاباس کا معنی یہ ہیں کہ بیماری کی تکلیف اگرچہ ہے لیکن اس کے برداشت کرنے میں گناہوں کی معافی ہے اس لئے گناہوں کی معافی کے بدلے میں یہ زیادہ نہیں ہے اور طهور کا معنی یہ ہے کہ یہ تیرے لئے گناہوں سے پاکی کا ذریعہ اور سبب ہوگا گویا گناہوں کی معافی کی دعا ہے۔ آپ ﷺ نے اس بوڑھے کے جواب میں یہ جو ارشاد فرمایا کہ پھر ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا اگر واقعۃً تم ایسا ہی گمان رکھتے ہو تو پھر تمہارے خیال و گمان کے مطابق تم سے معاملہ کیا جائے گا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ گویا آپ نے اس کو بددعا دی لیکن بددعا دینا آپ ﷺ کی شان سے بعید ہے خصوصاً اس آدمی کو جس کی عیادت کے لئے آپ تشریف لے گئے تھے اور وہ بیماری میں مبتلا تھا البتہ اس میں خبر ہے کہ جب تم اس بخار کو اپنے خاتمہ اور موت کا ذریعہ سمجھتے ہو اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے حسن ظن نہیں رکھتے ہو تو پھر اللہ بھی تمہارے ساتھ تمہارے گمان اور ظن کے مطابق معاملہ فرمائیں گے اور یہ بخار تمہارے لئے موت کا ذریعہ بنے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۳) اسی طرح عیادت کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ مریض کی تکلیف کی جگہ پر ہاتھ رکھے اور پھر بسم اللہ پڑھ کر اس کے لئے دعا مانگے۔ اس موقع کی دعائیں پہلے گذر چکی ہیں۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب

کسی بیمار کی عیادت کے لئے جاتے تو درد اور تکلیف کی جگہ ہاتھ رکھتے اور پھر بسم اللہ پڑھ کر دعا کرتے۔

(۴) جب کوئی کسی کی عیادت کرے تو مستحب یہ ہے کہ اس سے ایسی باتیں کرے کہ وہ خوش ہو جائے اور اس کے جلدی ٹھیک ہونے اور زندہ رہنے کی امید پیدا ہو جائے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی مریض کی عیادت کے لئے اس کے پاس جاؤ تو اس سے ایسی باتیں کرو کہ اس کو اپنی موت دور معلوم ہو اور شفا پانے کی امید پیدا ہو تمہارے اس طرح کرنے سے موت تو ٹلے گی نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اس کی موت کا فیصلہ کر چکے ہیں تو اس میں کوئی تبدیلی بھی نہیں آئے گی البتہ مریض کا دل خوش ہوگا۔

(۵) عیادت کرنے والے کو چاہئے کہ وہ مریض سے اپنے حق میں دعا کرنے کی درخواست کرے کیونکہ اس کی دعا حالت مرض میں قبول کی جاتی ہے چنانچہ حضرت انسؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بیماروں کی عیادت کرو اور ان سے اپنے لئے دعا کرنے کی درخواست کرو کیونکہ مریض کی دعا قبول کی جاتی ہے اور اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

(۶) مستحب یہ ہے کہ عیادت کرنے والا جلدی عیادت کر کے اٹھ جایا کرے کیونکہ بعض دفعہ تکلیف کی وجہ سے مریض کے لئے دوسروں کا اس کے پاس بیٹھنا دشوار معلوم ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ دن میں صرف ایک دفعہ عیادت کی جائے البتہ اگر مریض کی خواہش ہو کہ عیادت کرنے والا اس کے پاس زیادہ وقت گذارے یا بار بار دن میں کئی دفعہ اس کے پاس آئے تو پھر کراہت نہیں ہوگی کیونکہ بعض اوقات کسی خاص بے تکلف دوست یا رشتہ دار کے بیٹھنے کی وجہ سے مریض کو راحت محسوس ہوتی ہے اور وہ مرض اور تکلیف کو بھول جاتا ہے لہذا ایسی صورت میں پھر زیادہ دیر بیٹھنا ہی مستحب ہوگا۔

چنانچہ عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ جب جنگ خندق میں حضرت سعدؓ بن معاذ زخمی ہوئے ایک مشرک نے دوران جنگ ان کی گردن کی رگ پر تیر مارا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے مسجد نبوی کے صحن میں خیمہ لگایا اور ان کو گھر نہیں جانے دیا تاکہ آپ

سے قریب رہیں اور آپ ﷺ جلدی جلدی ان کی عیادت اور خبر گیری کر سکیں کیونکہ ان کا گھر مسجد نبوی سے ذرا دور تھا۔

(۷) عیادت کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ جب وہ کسی عیادت کے لئے جائے تو باوضو ہو کر جائے کیونکہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے وضو کیا اور بہترین و کامل وضو کیا پھر اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی اور اپنے اس عمل پر ثواب کی امید رکھی تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو ستر سال کی مسافت کے بقدر جہنم سے دور کر دے گا۔

(۸) اگر عیادت کرنے والا بزرگ آدمی ہو تو پھر یہ بھی مستحب ہے کہ مریض کے پاس وضو کرے اور اپنے وضو کے پانی میں سے کچھ مریض پر ڈال دے بشرطیکہ مریض اس کا عقیدت مند ہو اور اس کی خواہش رکھتا ہو۔

چنانچہ حضرت جابرؓ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں بیمار ہوا نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میری عیادت کے لئے پیدل چل کر تشریف لائے جب یہ حضرات میرے گھر پہنچے تو اس وقت میں بے ہوش تھا آپ نے وضو کیا اور وضو کے باقی ماندہ یا مستعمل پانی میں سے کچھ مجھ پر چھڑکا جس سے مجھے کچھ افاقہ ہوا میں نے جب آنکھ کھولی تو نبی کریم ﷺ کو اپنے پاس دیکھ کر کہا مجھے خوف ہے کہ اگر میرا انتقال ہو جائے تو پیچھے مال کے متعلق کیا وصیت کروں کیونکہ اس وقت تک میراث کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ آپ ﷺ سے پوچھا کہ میں اپنے مال کا کیا کروں یعنی کیا وصیت یا فیصلہ کروں؟ آپ ﷺ نے کوئی جواب مجھے نہیں دیا یہاں تک کہ میراث کے احکام کے متعلق آیتیں نازل ہوئیں۔

(۹) مستحب یہ ہے کہ عیادت کرنے والا مریض کے گھر پیدل چل کر جائے البتہ اگر مریض کا گھر بہت دور ہو یا عیادت کرنے والا پیدل چل کر نہیں جا سکتا ہو تو سواری میں جانا بھی بلا کسی کراہت کے جائز ہے البتہ بلا ضرورت مستحب کو ترک نہیں کرنا چاہئے اور پیدل جا کر عیادت کرنی چاہئے۔

حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ جب میں بیمار ہوتا تو نبی اکرم ﷺ پیدل تشریف لا کر میری عیادت کرتے تھے۔ خچر یا ترکی گھوڑا جو عام طور پر آپ کے استعمال میں ہوتے تھے

اس پر سوار ہو کر نہیں آیا کرتے تھے۔

حضرت عروہؓ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لئے ان کے گھر جا رہے تھے تو ایسے گدھے پر سوار ہو کر گئے جس پر فدکی کپڑے کا زین تھا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھایا یہ واقعہ جنگ بدر سے قبل کا ہے۔

(۱۰) عیادت کرنے والے کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ وہ جب مریض کی عیادت کے لئے جائے تو اس کے ہاں کچھ کھائے پیئے نہیں یہ مکروہ ہے بلکہ اس سے عیادت کرنے کا ثواب بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو امامہؓ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی مریض کی عیادت کے لئے جائے تو اس کے ہاں کچھ نہ کھائے کیونکہ یہ اس کی عیادت کا بدلہ ہو جائے گا یعنی پھر اخروی ثواب نہیں ملے گا۔

اسی طرح کھانے پینے کے حکم میں چائے، قہوہ یا شربت اور دودھ وغیرہ پینا بھی شامل ہے کہ اس سے بھی احتراز کرنا چاہئے البتہ اگر والد اپنی اولاد کی عیادت کے لئے ان کے گھر جائے تو ان کے لئے اولاد کے گھر میں کھانا پینا جائز ہو گا کیونکہ حضرت سمرہؓ بن جندب کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ ایک جھگڑے کا فیصلہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ایک بیٹے سے ارشاد فرمایا تھا کہ تو اور تیرا مال تیرے والد ہی کا ہے۔

اسی طرح اگر کسی کے ساتھ دوستی اور رشتہ داری کا ایسا تعلق ہو کہ اس سے پہلے بھی ان کے گھر میں کھایا پیا کرتا تھا اور اب اس موقع پر ان کے کھانے پینے سے یا زیادہ دیر بیٹھنے سے مریض اور اس کے اہل خانہ کو تکلیف نہیں ہوتی ہے بلکہ خوشی ہوتی ہے تو پھر زیادہ تکلف سے بچتے ہوئے کھانا پینا اگرچہ جائز ہو گا لیکن احتیاط بہرحال اولیٰ ہے۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن محدثین نے لکھا ہے کہ احتیاط کے مقام میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا چاہئے۔ یہاں بھی احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے اخروی ثواب کو محفوظ رکھنے کے لئے اس پر عمل کیا جائے تاکہ دنیوی فائدے سے اخروی ثواب ضائع نہ ہو۔

عورت کی عیادت

علامہ سبکیؒ نے اپنی کتاب الدین الخالص میں لکھا ہے کہ اگر کوئی عورت بیمار ہو تو

اس کے محارم مردوں کے لئے اس کی عیادت جائز ہے اسی طرح اگر کوئی عورت محارم میں سے تو نہ ہو لیکن رشتہ دار ہو یا کسی دوست کی بیوی ہو تو اس کی عیادت بھی جائز ہے بشرطیکہ پردے کے اہتمام کے ساتھ ہو اور خلوت وغیرہ میں عیادت نہ ہو اور اس عمل سے کسی فتنہ یا تہمت کا خطرہ بھی نہ ہو البتہ اگر بے پردگی ہوتی ہے یا کسی فتنہ میں واقع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر ہرگز جائز نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمیر نے ایک صحابیہ ام العلاء سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ میں بیمار تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے میری عیادت کی اور مجھ سے ارشاد فرمایا اے ام العلاء بشارت قبول کر کیونکہ مسلمان جب بیمار ہو جاتا ہے تو اس کا مرض اس کے گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتا ہے اور پھر وہ مرض گناہوں کو اس طرح ختم اور پاک وصاف کر دیتا ہے جیسے سونا یا چاندی کو جب آگ میں رکھ دیا جائے تو وہ پگھل جاتا ہے اور اس کا میل کچیل ختم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی مرد بیمار ہو تو جو عورتیں اس کے محارم میں سے ہوں تو ان کے لئے اس مرد کی عیادت کرنا جائز ہے اسی طرح اگر کوئی اور رشتہ دار مرد ہو یا کوئی بزرگ ہو یعنی محارم میں سے نہ ہو تو احکام پردہ کی پابندی کے ساتھ اس کی عیادت بھی جائز ہے، بشرطیکہ کسی فتنہ اور تہمت کا ڈر نہ ہو، اگر پردے کا اہتمام نہ ہو جیسے کہ آج کل عورتیں عموماً ایسے موقعوں پر چہرہ کھول دیتی ہیں یا کسی فتنہ اور تہمت کا خوف ہو تو پھر یہ جائز نہیں ہو گا۔

چنانچہ حضرت ام الدرداءؓ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے مسجد میں قیام کرنے والے ایک انصاری بزرگ کی عیادت کی تھی۔

اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت بلالؓ کو بخار ہوا۔ میں ان دونوں حضرات کی عیادت کے لئے گئی اپنے والد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ دونوں سے پوچھا کہ آپ حضرات کیسے ہیں حضرت ابوبکرؓ بخار کی حالت میں یہ اشعار پڑھ رہے تھے کہ

كل امرئ مصبح في اهله
والموت ادنى من شراك نعله

"ہر آدمی اپنے گھر والوں میں صبح کرتا ہے، یعنی اپنے گھر والوں کے ساتھ خوش وخرم و مشغول ہوتا ہے لیکن موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی اس کے زیادہ قریب ہوتی ہے" اور وہ موت کی فکر نہیں کرتا ہے۔

اور حضرت بلالؓ کا بخار جب کچھ دیر کے لئے ہلکا ہو جاتا تو وہ مندرجہ ذیل اشعار پڑھا کرتے تھے۔

الاليت شعرى هل ابيتن ليلة
بواد وحولى اذخر و جليل
وهل اردن يوماً مياه مجنة
وهل تبدون لى شامة وطفيل

"اے کاش کیا میں پھر ایسی وادی میں رات گزار سکوں گا کہ میرے اردگرد اذخر اور جلیل گھاس ہو اور کیا میں پھر مجنہ کے پانی کے گھاٹ پر اتر سکوں گا اور کیا شامہ اور طفیل کے پہاڑ پھر مجھ پر ظاہر ہوں گے یعنی میں پھر ان کو دیکھ سکوں گا"

غیر مسلم کی عیادت

علامہ سبکیؒ نے لکھا ہے کہ غیر مسلم کی عیادت جائز ہے بشرطیکہ اس میں عیادت کرنے والے یا مریض کی کوئی مصلحت اور فائدہ ہو یا وہ غیر مسلم رشتہ دار اور پڑوسی ہو۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا تو نبی اکرم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے پاس بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ اسلام قبول کر لے اس بچے نے اپنے والد کی طرف دیکھا تو والد نے کہا کہ ابوالقاسم کی اطاعت کرو یعنی نبی اکرم ﷺ کا کہنا مان لے چنانچہ وہ بچہ مسلمان ہوا آپ اس کے ہاں سے خوش ہو کر اٹھے اور فرمایا کہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے میرے سبب سے اس بچے کو جہنم کی آگ سے بچایا۔

حضرت انسؓ سے ایک اور روایت ہے کہ ابوطالب ایک دفعہ بیمار ہوئے تو نبی اکرم ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے ابوطالب نے آپ ﷺ سے کہا کہ بھتیجے جس معبود کی تم عبادت کرتے وہ اس سے چچا کو شفاء عطا فرمائے آپ کی دعا کی برکت سے ا۔

طالب اسی وقت شفایاب ہو کر اس طرح جیسے کہ پہلے کسی رسی میں بندھے ہوئے تھے اور ایک دم ان کو کھول دیا گیا۔ ابو طالب نے کہا کہ بھتیجے تیرا معبود تیری بات مانتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چچا اگر آپ بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی دعائیں بھی قبول فرمائیں گے۔

جمہور فقہائے کرام کا قول یہی ہے کہ رشتہ داری اور پڑوس ہونے کی بناء پر یا دوسری مصلحتوں کی وجہ سے کافر کی عیادت جائز ہے البتہ امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ بدعت کرنے والے اور برسرعام گناہ کرنے والے کی عیادت نہیں کی جانے اور کافر کی عیادت کو بھی امام احمد حرام قرار دیتے ہیں۔

مریض کی فریاد و شکایت

سبکی نے اپنی کتاب الدین الخالص میں لکھا ہے کہ مریض کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ دوسروں کو اپنے مرض اور تکلیف کی اطلاع دے البتہ یہ اس طرح نہ ہو کہ جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے شکوہ شکایت یا ناراضگی کا پہلو ہو بلکہ اپنی حالت پر الحمدللہ کہہ کر اس کے بعد اپنی تکلیف کا ذکر کرے اور مرض کی حالت بیان کرے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ حمد جب شکوہ کرنے سے مقدم ہو تو پھر وہ شکوہ نہیں رہتا۔

ہشام بن عروہ نے بھی اپنے والد حضرت عروہ بن زبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ جب حمد و شکر شکوہ کرنے سے پہلے ادا کیا جائے تو پھر وہ شکوہ مذموم نہیں ہوتا ہے۔

ہشام نے اپنے والد حضرت عروہ سے نقل کیا ہے کہ میں اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ اپنی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی عیادت کے لئے گیا۔ جب وہ بیمار تھیں۔ حضرت عبداللہ نے ان سے پوچھا اماں جان کیا حال ہے تو انہوں نے فرمایا کہ میں بیمار ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مریض کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ عیادت کرنے والوں کو اپنی تکلیف سے آگاہ کرے یہ شکوہ شکایت کے حکم میں داخل نہیں ہے۔

قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے نبی اکرم ﷺ کے مرض الوفات کی طویل حدیث میں یہ حصہ نقل کیا ہے کہ ایک دن میرے سر میں درد تھا نبی اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ ہائے میرا سر یعنی سر میں درد ہو رہا تھا تو میں نے آپ ﷺ کے سامنے اپنی تکلیف کا اظہار کیا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر

میری زندگی میں تیرا انتقال ہو جائے تو میں تیرے لئے مغفرت کی دعا کروں گا۔

بیمار میں جزع فزع آہ و بکا اور اپنی تکلیف کے اظہار کرنے کے جواز و عدم جواز کے متعلق علماء کے اقوال میں اختلاف ہے لیکن بقول علامہ سبکی تحقیقی بات یہ ہے کہ درد و تکلیف اور بیماری میں فریاد کرنا عام انسانوں کی فطرت ہے۔ اور عام طور پر طبیعت اس تکلیف کے اظہار پر مجبور ہوا کرتی ہے انسانی فطرت و جبلت کو بدلا نہیں جا سکتا ہے اس لئے شرعاً اس پر پابندی بھی نہیں ہے کیونکہ انسان ان احکام کا مکلف اور پابند بنایا گیا ہے جو اس کی قدرت میں ہو یعنی جن احکام پر اس کے لئے عمل کرنا ممکن ہو اس نے شریعت نے انسان کو اس کا تو مکلف کیا ہے کہ وہ اپنی تکلیف کا اظہار تو کر سکتا ہے البتہ اس میں مبالغہ نہ کرے اور زیادہ جزع فزع نہ کرے اور نہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر اپنی ناراضگی ظاہر کرے جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بچوں یا قریبی عزیزوں کے انتقال یا ان کی اور اپنی بیماری پر لوگوں کے سامنے اللہ جل شانہ کا شکوہ کرتے رہتے ہیں یہ طریقہ شرعاً مذموم اور برا ہے البتہ صرف اپنی تکلیف کا اظہار کرنا شرعاً جائز ہے۔

• بہرحال بندے کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد ادا کر کے اس کے فیصلوں پر صابر اور شاکر رہنا چاہئے البتہ اتنی بات بہرحال ثابت ہے کہ اپنے قریبی عزیزوں، دوستوں یا عیادت کرنے والوں کو اپنے مرض کے متعلق بتانا شکوہ میں شامل نہیں بلکہ جائز ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد کرنا اور اپنی تکالیف کا اظہار کرنا اور دعا کرنا صبر کے منافی نہیں بلکہ یہ صبر جمیل میں شامل ہے دیکھئے قرآن کریم میں حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ سورۂ یوسف میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گم ہونے پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے صبر جمیل کا وعدہ کیا اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان یہ ہے کہ وہ جب کوئی وعدہ کر لیتے ہیں تو پھر اس کے خلاف عمل نہیں کرتے لیکن باوجود اس کے حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ قول قرآن کریم میں ہے۔

انما اشکوبثی وحزنی الی اللہ۔

"میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب اور غم اللہ کے سامنے"

(سورۂ یوسف آیت ۸۶)

یعنی اپنے درد و غم کی شکایت اللہ تعالیٰ ہی سے کرتا ہوں یعنی حضرت یعقوب اپنی اولاد

سے فرما رہے ہیں جو ان کو صبر کی تلقین کر رہے تھے کہ تم مجھ کو کیا صبر سکھلاؤ گے بے صبر تو وہ ہیں جو مخلوق کے آگے خالق کے بھیجے ہوئے درد و غم کی شکایت کریں میں تو اسی سے کہتا ہوں جس نے درد دیا تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے درد و غم کی شکایت صبر کے منافی نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے اور ان آیات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امتحان میں ان کو صابر و شاکر پایا لیکن اس کے ساتھ قرآن کریم نے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔

وایوب اذنادی ربہ انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔

"یاد کرو ایوب کو جس وقت انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ مجھ پر پڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا"

(الانبیاء ۸۳)

تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی فریاد و زاری صبر کے خلاف نہیں ہے صبر کے خلاف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اللہ کا شکوہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنا اور دعا و زاری کرنا عین صبر ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کا دیکھا جو دوسرے آدمی کے سامنے اپنے فقر و فاقہ اور ضرورت کا اظہار کر رہا تھا تو اس بزرگ نے اس آدمی سے فرمایا کہ کیا تم اس ذات کا شکوہ جو ارحم الراحمین ہے اور تم پر بھی رحم کرنے والا ہے ایسی ذات سے کر رہے ہو جو تم پر رحم نہیں کر سکتا، پھر یہ اشعار پڑھے،

واذا عراک بلیة فاصبر لھا
صبر الکریم فانہ بک اعلم
واذاشکوت الی ابن آدم انما
تشکو الرحیم الی الذی لا یرحم

"جب تم پر کوئی مصیبت و تکلیف آجائے تو صبر کیا کر عزت والے آدمی کی طرح اس لئے کہ وہ ذات تیرے حالات کا زیادہ علم رکھتی ہے۔ جب تم اس کے فیصلے کا شکوہ کسی

انسان سے کرتے ہو تو بے شک تم رحم کرنے والی ذات کی شکایت ایسی ذات سے کرتے ہو جو رحم نہیں کرتا"

مریض کی فریاد اور آہ و زاری

علماء نے لکھا ہے کہ مریض کے فریاد کرنے کی مختلف صورتیں ہیں اور اس کے احکام بھی مختلف ہیں مریض اگر آہ و زاری اس لئے کر رہا ہے کہ وہ تقدیر اور اللہ کے فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کر رہا ہے کہ میرے لئے مرض کا فیصلہ کیوں کیا گیا کسی اور کے لئے کیوں نہیں ہوا تو اس صورت میں آہ و زاری اور فریاد کرنا حرام ہے۔

اور اگر اس لئے فریاد کر رہا ہے کہ وہ مرض سے تنگ آچکا ہے تو پھر آہ و زاری مکروہ ہے اور اگر اس لئے کر رہا ہے کہ اس سے اس کو راحت ملتی ہے تو پھر مباح اور جائز ہے البتہ اگر آہ و زاری کا مقصد اللہ تبارک و تعالیٰ کے سامنے اپنی ضعف اور عجز کا اظہار ہے کہ اے اللہ میں عاجز ہوں اگرچہ مرض بھی تیرا انعام و احسان ہے کہ اس کے ذریعے گناہ معاف ہوتے ہیں درجات بلند ہوتے ہیں اور ثواب ملتا ہے لیکن میں اپنی کمزوری کی بناء پر اس انعام کا متحمل نہیں ہو سکتا ہوں اس لئے اس نعمت کو نعمت صحت سے بدل دے کیونکہ تیرے در کے علاوہ اور کہیں سے شفاء اور مدد کی امید نہیں ہے تو اس صورت میں آہ وزاری مستحب ہے۔

عیادت کرنے والے کو چاہئے کہ جب وہ مریض کو تکلیف میں دیکھے تو اس سے اس قسم کی باتیں کرے جس سے اس کی درد و تکلیف میں کمی واقع ہو جائے نیز حالت مرض میں تکلیف پر کرنے کے فضائل سنائے تاکہ وہ ثواب کی امید میں تکلیف کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرلے۔

لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ یہ کام اس وقت کرے جب مریض کی توجہ ہو ان باتوں کو سننا چاہتا ہو کیونکہ بعض دفعہ مریض مرض کی تکلیف کی وجہ سے توجہ کرنے کی بجائے اظہار نفرت کرتا ہے یا اعراض کرتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کو اخروی طور پر نقصان ہوگا۔

مثلاً حالت مرض میں اس قسم کی احادیث مریض کو سنانی چاہئیں جیسے کہ ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا جس آدمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی

کا ارادہ کرتے ہیں تو امراض و مصائب کو اس کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ جس شخص سے محبت کرتے ہیں تو اس کو امراض و مصائب مبتلا کر دیتے ہیں تاکہ اس ثواب ملے مرض و شفا دونوں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور اس کے قبضے اور قدرت میں ہے۔

کمافی قولہ تعالیٰ واذا مرضت فھو یشفین

"جب بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتے ہیں"

حضرت محمود بن لبید سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی قوم سے محبت کرتے ہیں تو ان کو امرض و مصائب میں مبتلا کر دیتے ہیں جو لوگ ان آلام و مصائب پر صبر کرتے ہیں تو ان کو ان کے صبر کا بدلہ دیا جاتا ہے اور جو لوگ اس پر جزع فزع ظاہر کرتے ہیں تو ان کو وہی ملتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس تکلیف کو ان کے گناہوں کے لئے کفارہ بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ اگر کسی کو کانٹا چبھے تو اس پر بھی ثواب ملے گا۔

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ جب مومن کو کوئی تکلیف، تھکاوٹ، پریشانی اور تکلیف و غم لاحق ہوتا ہے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں یہاں تک کہ اگر کانٹا چبھ جائے تو اس پر بھی گناہ معاف ہوتے ہیں۔

ان احادیث سے زیادہ واضح بشارت خود قرآن کریم کی اس آیت میں ہے جو سورۃ بقرہ دوسرے پارے میں ہے۔

وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوٰت من ربھم ورحمۃ واولٓئک ھم المھتدون۔

"اور خوشخبری دیں ان صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں کہ ہم تو اللہ کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور یہی لوگ ہی سیدھی راہ پر ہیں"

(سورۃ بقرۃ آیت ۱۵۵،۱۵۷)

یعنی جن لوگوں نے ان مصیبتوں پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری نہیں کی بلکہ ان مصائب کو ذکر اور شکر ادا کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا تو فرمایا کہ اے پیغمبر ﷺ آپ ہماری طرف سے ان کو بشارت دے دیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت مبارکہ میں صلوٰت سے مراد مغفرت اور تعریف ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مغفرت بھی فرمائیں گے اور ان کی تعریف اب بھی کرتے ہیں اور قیامت میں سب کے سامنے پھر اللہ تعالیٰ ان صبر کرنے والوں کی تعریف کریں گے اور ان پر احسانات کی بارش ہوگی اور المھتدون سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ہدایت پانے میں بالکل کامل ہیں اور انتہا تک پہنچ چکے ہیں۔ اس لئے کہ رضا بالقضاء یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کے فیصلے پر ہر حالت پر راضی رہنا ہی کامل ہدایت کی دلیل ہے۔ یہ آیت جب نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صلوات اور رحمۃ دو اچھے ظرف ہیں اور ہدایت ان دونوں ظرفوں میں رکھا جانے والا سب سے اچھا سامان ہے۔

مریض کو علاج پر آمادہ کرنا

جب عیادت کرنے والا یہ محسوس کرے کہ مریض کے پاس علاج کی طاقت نہیں ہے تو مستحب یہ ہے کہ اگر خود کر سکے تو اس کے علاج کا انتظام کرے یا کسی سے کروائے اور اگر مریض کے پاس علاج کی طاقت اور اسباب تو ہے لیکن وہ شفا کے اسباب کو اختیار نہیں کرنا چاہتا ہے اور اسباب کے بغیر توکل کی راہ پر چلنا چاہتا ہے تو عیادت کرنے والے کو چاہئے کہ اس کو علاج کی ترغیب دے دے یعنی شفاء کو اختیار کرے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے ہمیں اس کی تعلیم ملتی ہے کہ مختلف مواقع پر امراض میں آپ نے خود بھی علاج کیا ہے اور دوسرے مریضوں کو بھی علاج کرنے کا حکم دیا ہے آپ نے خود مختلف ادویات کا ذکر فرمایا ہے جب آپ ﷺ کے گھر والوں میں یا صحابہ کرام میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ یا تو خود کوئی دوا تجویز کرتے یا اس کو حکیم سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے۔

چنانچہ حضرت ابو زبیر نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر بیماری کی دوا ہے جب دوا بیماری سے موافق مل جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے اذن و رحمت سے بیمار ٹھیک ہو جاتا ہے۔

علامہ سبکی نے اپنی کتاب الدین الخالص میں اس حدیث کو نقل کرکے لکھا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مریض کے لئے دوا استعمال کرنا مستحب ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ البتہ بعض غالی صوفی علاج کے استحباب کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ بیماری اور شفاء سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے قضاو قدر یعنی فیصلے سے ہوتا ہے اس لئے دوا لینے کی حاجت نہیں ہے لیکن علماء نے لکھا ہے کہ دوا لینا قضاء و قدر کے خلاف نہیں بلکہ خود دوالینا بھی قضاء و قدر یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں داخل ہے جیسے کہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں دعا کا حکم ہے یا کفار کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہے یا مسلمانوں کی قلعہ بندی کرنے کا حکم ہے یا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ خود اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو حالانکہ وقت مقرر یا قضاء و قدر کے فیصلے نہ تو ٹلتے ہیں اور نہ اپنے وقت مقرر سے تقدیم و تاخیر ہوتی ہے لیکن جس طرح یہ سب امور توکل اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے خلاف نہیں ہے تو اس طرح مریض کا دوائی استعمال کرنا بھی توکل کے خلاف نہیں ہے البتہ یقین و اعتماد اللہ پر ہونا چاہئے دوا یا ڈاکٹر و حکیم پر بھروسہ نہ ہو بلکہ یہ عقیدہ ہو کہ شفاء تو صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی دیں گے البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق دوا استعمال کر رہا ہوں۔

چنانچہ حضرت اسامہ بن شریک سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا مجلس میں صحابہ کرام بھی بیٹھے ہوئے تھے صحابہ کرام اتنے توجہ اور تواضع کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جیسے ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں اور ذرا سے ہلنے یا بے توجہی کرنے سے وہ اڑ جائیں گے۔ میں بھی سلام کرکے مجلس میں شریک ہوا اتنے میں دیکھا کہ ہر طرف سے دیہاتی لوگ آپ کی مجلس میں آئے اور پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم بیماری میں علاج کر سکتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں دوا استعمال کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے اس کی شفاء اور دوا بھی پیدا کی ہے اس لئے دوا استعمال کر لیا کرو البتہ بڑھاپے کی کوئی دوا نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کی دوا پیدا کی ہے لہذا جب تم بیمار ہو تو دوا اور علاج کیا کرو۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب اخیر عمر میں زیادہ بیمار ہونے لگے تو

عرب و عجم کے معالجین واطباء آپ کے علاج کے لئے آپ کے پاس حاضر ہو کر مختلف دوائیں تجویز کیا کرتے تھے، پھر ہم ان دواؤں سے آپ کا علاج کیا کرتے تھے۔

ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ امین محمود خطاب سبکی نے اپنی کتاب الدین الخالص میں زاد المعاد کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ بیماری میں اسباب و علاج اختیار کرنا جائز اور ثابت ہے اور جو لوگ اس کا مطلقاً انکار کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ ہر بیماری کی دوا ہے اس کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دنیا میں جو بھی بیمار ظہور پذیر ہوتی ہے تو اس کی دوا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہے اور کوئی مرض بھی لاعلاج نہیں ہے البتہ بعض امراض ایسے ہیں کہ ان کی دوا کا علم اب تک انسانوں کو نہیں ہوا ہے اور اکثر بیماریوں کی دوا کا علم اطباء اور ڈاکٹروں کے پاس ہے لیکن ظاہر ہے کہ ڈاکٹر از خود شفا نہیں دے سکتا ہے وہ جب دوا دیتے ہیں اور وہ مرض کے موافق ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ شفا بھی عطا فرما دیتے ہیں یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اکثر امراض ایسے ہیں کہ جو دوا کے اثرات کو قبول کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے شفا مل جاتی ہے تو لکل داء دواء کہ "ہر بیماری کی دوا ہے" سے مراد وہ امراض ہیں کہ جو دوا کے اثرات قبول کرتے ہیں البتہ بعض امراض ایسے ہیں کہ جو دوا کے اثرات کو قبول نہیں کرتے ہیں کیونکہ وہ دوا ان امراض کے موافق نہیں ہوتی۔ بہرحال جو شخص بھی اس دنیا میں پیدا کیا گیا ہے اضداد پر غور کرے گا اور یہ دیکھے گا کہ یہ اضداد کس طرح ایک دوسرے کا توڑ کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اللہ کی حکمت و قدرت اور ادلوہیت و یکتائی و توحید کا قائل ہوگا اور یہ اقرار کرے گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور قدرت و الوہیت میں یکتا اور اکیلے ہیں اور کسی کے محتاج نہیں اور سب مخلوقات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں۔

معالج کی صفات و احکام

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ایسے معالج یعنی ڈاکٹر و طبیب سے علاج کرائیں جو مسلمان دین دار اور قابل اعتماد ہو بغیر شدید ضرورت کے کسی غیر مسلم معالج سے علاج کرانا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ غیر مسلم یا بے دین ہونے کی وجہ سے

حلال و حرام کے معاملے میں وہ بے حس اور ناقابل اعتماد ہوتا ہے البتہ اگر شدید ضرورت ہو کہ یا تو کوئی مسلمان اور دین دار معالج موجود نہیں یا مریض جس مرض میں مبتلا ہے مسلمان اور دین دار معالج اس مرض کے علاج سے واقف نہیں ہے تو پھر اگر وہ غیر مسلم معالج قابل اعتماد ہے تو اس سے علاج کرانا جائز ہوگا۔

حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو حارث بن کلدہ سے علاج کی اجازت دی تھی جبکہ حارث کافر تھے۔ اسی طرح عورت کے لئے مرد ڈاکٹر سے علاج کرانا بغیر شدید ضرورت کے جائز نہیں ہے کیونکہ پردے کے احکام جو قرآن و حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں ان کی پابندی ضروری ہے اس لئے حضرت ربیع بنت مسعود بن عفراؓ کی اس مندرجہ ذیل حدیث کو بھی شدید ضرورت پر محمول کیا گیا ہے جو صحیح بخاری میں حضرت ربیعؓ فرماتی ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جہاد میں شرکت کرتے تھے مجاہدین کو پانی پلایا کرتے تھے اور خدمت کیا کرتے تھے شہداء اور زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھاتے اور مدینہ منورہ لاتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہم پانی پلایا کرتے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتے اور شہدا کو میدان جنگ سے اٹھا کر لایا کرتے تھے۔

اب اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شدید ضرورت کی صورت میں عورت اجنبی مرد کا یا اس کے برعکس مرد اجنبی عورت کا علاج کر سکتا ہے یعنی ایک تو یہ کہ یہ صرف شدید ضرورت کی صورت میں جائز ہے کیونکہ مرد صحابہ سب جہاد میں شریک ہوتے وہ ان کاموں کے لئے فارغ نہیں تھے اس سے عورتوں کو اس کی اجازت دی گئی تھی۔ اب بھی اگر ایسی صورت پیش آئے کہ سب مرد جہاد میں شریک ہوں اور کوئی ایک مرد بھی اس کام کے لئے فارغ نہ ہو تو عورتوں کے لئے اس قسم کے خدمات کا انجام دینا جائز ہوگا۔

دوئم یہ کہ یہ خدمت بغیر زیادہ میل جول کے ہو میل جول اور ہاتھ لگانا بات کرنا صرف ضرورت کے تحت ہو کیونکہ جو چیز اصلاً تو ممنوع ہو لیکن ضرورت کے تحت جائز ہو جائے تو وہ بقدر ضرورت جائز ہوا کرتی ہے ضرورت سے زائد جائز نہیں ہوتی۔

عورت کے علاج کے لئے اگر عورت ڈاکٹر میسر ہو تو پھر اسی سے علاج کرنا چاہئے مرد سے ایسی صورت میں علاج کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر مرد ڈاکٹر ہے تو پھر مرد کے لئے بھی کسی لیڈی ڈاکٹر سے علاج کرانا جائز نہ ہوگا البتہ اگر مرد کے لئے مرد ڈاکٹر یا عورت

کے علاج کے لئے لیڈی ڈاکٹر میسر نہ ہو یا موجود تو ہو لیکن مریض جس مرض میں مبتلا ہے وہ ہم جنس ڈاکٹر اس مرض کا ماہر نہیں ہے تو پھر دوسرے جنس سے ضرورت کی بنا پر علاج جائز ہوگا لیکن اس میں تعلق صرف علاج کی حد تک اور باتیں صرف مرض کے متعلق جائز ہوں گی اس کے علاوہ جائز نہیں ہوں گی۔

مثلاً اگر عورت کو مرد ڈاکٹر سے علاج کی ضرورت ہو تو پردے میں جائے معائنے کی ضرورت ہو تو صرف مرض کے مقام کو کھول کر دکھائے اور ڈاکٹر بھی صرف مرض کے مقام کو دیکھے مریضہ کے باقی بدن کو دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا جو حدیث پہلے حضرت ربیعؓ کی گذر چکی ہے اس سے یہ باتیں اجمالاً ثابت ہوتی ہیں۔

اسی طرح حدیث سے معلوم ہوا کہ زیادہ ماہر ڈاکٹر کو تلاش کرنا جائز ہے۔

جائز دوا

ہر اس چیز کو دوا کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے جو حلال اور پاک ہو اور ناپاک یا حرام چیز کو دوا کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

مجاہدؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی سند سے نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے خبیث دوا سے منع فرمایا ہے۔

ترمذی میں اس کے ساتھ یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد زہر ہے، اس حدیث میں دوا خبیث کا لفظ ہے دوا کی خباثت یا تو نجس ہونے کی وجہ سے ہوگی یا حرام ہونے کی وجہ سے جیسے شراب، پیشاب یا انسان کی گندگی یا ان جانوروں کا گوشت کہ جو شرعاً حلال نہیں ہے۔

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بیماری بھی پیدا کی ہے اور اس کی دوا بھی ہر بیماری کی دوا ہے لہذا تم علاج کیا کرو لیکن حرام چیز کو دوا کے طور پر استعمال مت کیا کرو۔

یہ دونوں حدیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ضرورت شدیدہ کے بغیر حرام یا نجس چیز بطور دوا استعمال کرنا جائز نہیں ہے البتہ شدید ضرورت کی بناء پر بعض حضرات جواز کے قائل ہیں بشرطیکہ کوئی حلال دوا اس مرض کے لئے موجود نہ ہو یا اس سے فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو اور کوئی دین دار حلال حرام کی تمیز کرنے والا مسلمان ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ اب اس

فلاں حرام دوا کے علاوہ اور کوئی دوا اس مرض کے لئے نہیں ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ اس حرام دوا سے فائدہ ہوگا تو پھر جواز ہوگا۔

احناف میں سے امام طحاوی کا قول یہ ہے کہ شراب کے علاوہ باقی حرام ادویات ضرورت کے وقت جائز ہے۔ شوافع میں سے امام بیہقی حافظ ابن حجر عسقلانی بھی اس کے جواز کے قائل ہیں اور امام شافعیؒ کی طرف بھی یہ قول منسوب ہے۔

فقہاء احناف میں کنز الدقائق کے شارح ابن نجیم جن کی شرح بحر الرائق مشہور ہے فرماتے ہیں کہ احناف کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ حرام اشیاء بطور دوا استعمال کرنا جائز نہیں ہے فقہ حنفی کی مشہور کتاب الدر المختار میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے ہاں حرام چیزوں کو دوا کے بطور استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے ہاں جائز ہے۔ فقہ حنفی کی کتاب النہایہ میں ذخیرہ نامی کتاب سے نقل کیا ہے کہ اگر دوسری حلال دوا موجود نہ ہو اور اس حرام دوا سے شفاء کی امید ہو تو پھر استعمال جائز ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ ہر وہ دوا کہ جس سے شفاء کی امید ہو تو اس کے استعمال میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب الہدایہ کے مصنفؒ نے بھی اپنی کتاب التجنیس میں جواز کو اختیار کیا ہے مصفی میں لکھا ہے کہ عدم جواز اس صورت میں ہے کہ شفاء کے حصول کا غالب گمان نہ ہو لیکن اگر غالب گمان شفاء کا ہے تو پھر سب کے ہاں حرام دوا کا استعمال جائز ہے بعض فقہاء نے نشہ آور چیز سے مطلقاً یعنی بطور دوا بھی منع کیا ہے البتہ بعض فقہاء مطلقاً ہر قسم کی حرام چیز کو بطور دوا استعمال کرنا جائز بتاتے ہیں لیکن مذکورہ بیان کردہ شرائط کے تحت جواز کا قول ہی راجح ہے البتہ شراب اور نشہ آور اشیاء بطور دوا استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

یہ تفصیل اس لئے ذکر کی گئی تاکہ اس سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں اس میں تعارض واقع نہ ہو کیونکہ حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ قبیلہ عرینہ اور عکل کے کچھ دیہاتی لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان ہوئے لیکن مدینہ کی آب و ہوا ان کو موافق نہیں آئی وہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو مدینہ منورہ سے باہر صدقات کے اونٹوں کی چراگاہ میں بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ

اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیو۔ چنانچہ جب انہوں نے پیا تو ٹھیک ہو گئے۔

حرام اشیاء جو بطور دوا ضرورتاً جائز ہے وہ عام ہے چاہے ایسی چیز ہو جو کھائی جاتی ہو یا ایسی چیز ہو جو پی جاتی ہو۔

امام شافعیؒ اس حدیث کی بناء پر ارشاد فرماتے ہیں کہ شراب اور نشہ آور اشیاء کے علاوہ باقی حرام اشیاء ضرورت شدیدہ میں بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے کیونکہ اونٹ وغیرہ کا پیشاب امام ابو حنیفہ اور امام شافعیؒ کے ہاں نجس ہے اور ہر نجس چیز حرام ہوتی ہے لیکن نبی اکرم ﷺ نے ضرورت کی بناء پر بطور دوا اس کے استعمال کی اجازت دی ہے۔ البتہ امام مالکؒ اور بعض دوسرے فقہاء کے ہاں جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب بھی پاک ہے اس لئے نجس اور حرام نہیں ہے لیکن اگر نجس اور حرام بھی ہو تو چونکہ نبی اکرم ﷺ کو شاید بذریعہ وحی معلوم ہو چکا تھا کہ ان لوگوں کی شفاء اس میں ہے اس لئے آپ نے اجازت دی اس لئے یہ حکم ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے اس کی عام اجازت نہیں ہے یا یہ کہ اس کو حرام سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کہ باوجود حرام ہونے کے اونٹ کا پیشاب بطور دوا پینا جائز ہے لیکن عام فقہا اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کسی مستند دیندار مسلمان معالج کو غالب گمان ہو جائے کہ فلاں مریض اس حرام دوا سے شفایاب ہو سکتا ہے تو اس حرام دوا کا استعمال کرنا کرانا اس صورت میں جائز ہوگا۔

بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نجس اشیاء بطور دوا استعمال کرنا جائز نہیں ہے لیکن شارحین نے ان جیسی احادیث کو عدم ضرورت پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عثمان سے روایت ہے کہ ایک معالج نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا مینڈک کو دوا میں استعمال کرنا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ نہیں اس نے پھر پوچھا آپ ﷺ نے پھر منع فرمایا اس نے عرض کیا کہ یہ تو کئی امراض کی دوا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔

اب اس حدیث سے واضح ہوا کہ مینڈک کھانا چونکہ جائز نہیں ہے اس لئے بطور دوا بھی اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نجس ہے۔

علقمہ بن وائل بن حجر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ طارق بن سوید نے نبی اکرم ﷺ

سے شراب کے متعلق پوچھا آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ اس نے پھر پوچھا۔ آپ ﷺ نے پھر اس کے استعمال سے منع فرمایا اس نے عرض کیا کہ یہ تو دوا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دوا نہیں یہ تو خود مستقل بیماری ہے۔

اگرچہ بعض فقہاء نے ضرورت شدیدہ میں مطلقاً حرام دوا کے استعمال کی اجازت دی ہے جس میں شراب بھی داخل ہے لیکن صحیح قول جو اکثر فقہا کا ہے یہ ہے کہ عرنین کی حدیث سے اونٹ کے پیشاب کی اجازت بطور دوا ثابت ہے لیکن اس پر شراب کو قیاس کرنا ہر گز جائز نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے دوا ہونے کا انکار کیا بلکہ اس کو مستقل بیماری قرار دیا ہے اس لئے جس طرح عام حالات میں اس کا پینا حرام ہے اسی طرح دوا کے طور پر بھی اس کا پینا حرام اور ناجائز ہے کیونکہ خود نبی کریم ﷺ نے عام حرام اور شراب کو الگ الگ حکم دیا ہے شراب کی اجازت کسی بھی صورت میں آپ نے نہیں دی ہے۔

البتہ اگر کوئی آدمی ایسے دستر خوان پر کھانا کھا رہا ہو کہ جس پر شراب بھی رکھا ہوا ہے اور کھانا کھاتے ہوئے کوئی نوالہ یا اور کوئی چیز گلے میں اٹک جائے اور قریب میں پانی موجود نہ ہو یہ خوف ہو کہ اگر پانی طلب کرے اور اس کا انتظار کرے تو اتنی دیر میں جان نکلنے کا قوی خطرہ ہو تو اس صورت میں بعض فقہاء نے جان بچانے کے لئے شراب کے گھونٹ بھرنے کی اجازت دی ہے اس لئے کہ اس صورت میں یقینی طور پر معلوم ہے کہ اب جان بچانے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے لیکن دوا کی صورت ایسی قطعی اور یقینی نہیں ہے اس لئے شراب کو بطور دوا استعمال کرنا بھی حرام ہوگا جیسے عام حالات میں اس کا پینا حرام ہے۔

امام احمد بن حنبل نے ان دواؤں کے استعمال کو بھی مکروہ قرار دیا ہے کہ جو کافر بناتے ہیں اس لئے کہ اس کا قوی امکان ہے کہ وہ لوگ اس میں کوئی حرام چیز ملاتے ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر ملکی مشکوک دواؤں کے استعمال سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے۔

شہد

عیادت کرنے والے کو چاہئے کہ مریض کو ان دواؤں کے استعمال کی ترغیب دے جو قرآن کریم یا احادیث مبارکہ میں منقول ہیں جیسے کہ شہد کو قرآن کریم نے شفاء قرار دیا ہے۔ اطباء قدیم و جدید اس پر متفق ہیں کہ شہد میں کثیر فوائد ہیں اور یہ بہت سارے

امراض کے لئے مفید ہے رگوں کے اندر جو میل کچیل جمع ہوتا ہے اس کو صاف کر دیتا ہے۔ معدہ کی صفائی کے لئے بھی مفید ہے معدہ کو مضبوط کرتا ہے دل، مثانہ اور بدن کے منافذ کو قوت دیتا ہے اور بھی اس کے کثیر فوائد ہیں جو طب کی کتابوں سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

خصوصاً جب شہد اور سرکہ کو ملایا جائے تو یہ صفراء کے لئے بہت مفید ہے بلغم اور بارد مزاج والوں کے لئے بھی اس کے فائدہ کا مشاہدہ ہوا ہے یہ غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے۔ اگر کتا کاٹ لے تو اس کے لئے بھی شہد پینا مفید ہے۔ اگر آنکھوں میں لگایا جائے تو نظر کے لئے مفید ہے جس کے بدن میں جوئیں زیادہ ہوں وہ اگر بدن پر اس کو مل لے تو جوئیں ختم ہو جاتی ہیں۔ دانتوں پر شہد لگا کر مسواک کرنے سے دانت مضبوط ہوتے ہیں

البتہ یہ محفوظ رکھنا ضروری ہے کہ قرآن و حدیث میں جو علاج اور دوائیں ذکر کی گئی ہیں ان کو از خود استعمال نہ کرے بلکہ کسی ماہر طبیب کے مشورے سے استعمال کیا جائے۔ کیونکہ مزاج مختلف ہوتے ہیں بعض کے لئے جو اشیاء مفید ہوتی ہیں وہ بعض دوسروں کے لئے اختلاف مزاج کی وجہ سے مضر ہوتی ہیں۔

دوم یہ کہ اگر ان ادویہ سے شفاء نہ ہو تو اپنے اعتقاد یا مزاج کا قصور سمجھیے قرآن و حدیث سے بدظن نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ ہم میں سے کسی کو اس لئے فائدہ نہ ہو کہ یا تو وہ دوا اس کے مزاج کے مطابق نہیں یا اس کے استعمال میں کوئی قصور سرزد ہوا ہو۔

اس لئے ان ادویہ کو ماہر طبیب کے مشورے اور پورے اعتقاد اور حسن ظن کے ساتھ استعمال کیا جائے تو فائدہ ضرور ہوتا ہے۔

شہد کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا و من الشجر و مما یعرشون ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس ان فی ذالک لایة لقوم یتفکرون۔

"اور حکم دیا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنائے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں چھپر بناتے ہیں پھر کھا ہر طرح کے پھلوں سے پھر چل اپنے رب کے راستوں میں جو صاف پڑے ہیں نکلتی ہے ان کے پیٹ سے پینے کی چیز جس کے مختلف رنگ

ہوتے ہیں اس میں شفاء ہے لوگوں کے لئے اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں"

اس آیت میں شہد کو شفاء کہا گیا ہے بہت سی بیماریوں میں صرف شہد خالص یا کسی دوسری دوا میں شامل کر کے دیا جاتا ہے جو اللہ کے حکم و قدرت سے مریضوں کی شفایابی کا ذریعہ بنتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید خدری کی صحیح حدیث ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے بھائی کو دست آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو شہد پلاؤ۔ لیکن شہد کے پینے سے اسہال میں اور ترقی ہوئی چنانچہ اس نے پھر حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اس کو شہد پلایا لیکن اس کو دست اور زیادہ آنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سچ فرماتے ہیں اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تو اس کو شفاء کہا ہے دوبارہ پلانے سے بھی وہی کیفیت ہوئی آپ نے پھر وہی فرمایا آخر تیسری مرتبہ پلانے سے دست آنے بند ہو گئے اور طبیعت صاف ہو گئی۔

اطبا نے اپنے اصول کے مطابق کہا ہے کہ بعض اوقات پیٹ میں کیموس فاسد ہوتا ہے جو پیٹ میں پہنچنے والی ہر ایک غذا اور دوا کو فاسد کر دیتا ہے اس لئے دست آتے ہیں اس کا علاج یہی ہے کہ مسہل دوائی اور دی جائے تاکہ وہ کیموس فاسد خارج ہو جائے شہد کے مسہل ہونے میں کسی کو کلام نہیں گویا نبی اکرم ﷺ کا مشورہ بار بار شہد پلانے کا اسی طبی اصول کے موافق تھا۔ مامون رشید کے زمانہ میں شامہ عبسی کو جب اسی قسم کا مرض لاحق ہوا تو اس زمانہ کے شاہی طبیب زید بن یوحنا نے مسہل سے اس کا علاج کیا اور یہی وجہ بتائی۔ آج کل کے اطباء بھی شہد کے استعمال کو استطلاق بطن کے علاج میں بیحد مفید بتلاتے ہیں۔

علامہ محمود خطاب سبکی اپنی کتاب "تعالدین الخالص" میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول کا مطلب کہ تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے یہ ہے کہ یہ دوا یعنی شہد تو نافع ہے اس کے پینے کے بعد بھی مرض کا باقی رہنا دوا کے قصور کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ تیرے بھائی کے پیٹ میں فاسد مواد زیادہ ہے اس لئے ایک دفعہ یا دو دفعہ شہد پینا کافی نہیں ہے اس لئے تیسری مرتبہ شہد پلانے کا حکم دیا تاکہ

اچھی طرح استفراغ ہو جائے۔

چنانچہ جب تیسری مرتبہ شہد پلایا گیا اور فاسد مواد اچھی طرح خارج ہوا تو وہ آدمی ٹھیک ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق منقول ہے کہ ان کو جو بھی بیماری ہوتی وہ شہد استعمال کرتے اگر بدن پر کوئی پھنسی نکلتی تو اس کے اوپر بھی شہد لگا یا کرتے تھے چنانچہ ان کو اس سے شفاء ہوتی۔ بعض حضرات سے منقول ہے کہ وہ آنکھوں میں بھی شہد لگاتے اور بیماری کے لئے ناک میں بھی ڈالتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شہد عظیم غذا بھی ہے اور سب سے زیادہ نافع دوا بھی ہے اسی طرح مریض کو بیماری میں کثرت سے نفل پڑھنی چاہئے اس سے بھی شفاء حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ مجاہد نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ دوپہر کے وقت مسجد آئے میں بھی مسجد آیا میں نے نماز پڑھی نماز کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میں تکلیف میں ہوں آپ نے فرمایا کہ کیا پیٹ میں درد ہے میں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر کھڑے ہو اور نماز پڑھ لو بے شک نماز میں شفاء ہے۔

اس حدیث کو بعض محدثین نے موضوع قرار دیا ہے قرآن کریم میں بھی مصیبت اور تکلیف کے وقت صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے حدیث اگرچہ ضعیف یا موضوع ہے لیکن اس مضمون پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مریض کی نماز کا طریقہ

نماز ان عبادات میں سے ہے جو مرض کی حالت میں بھی ساقط اور معاف نہیں ہوتی البتہ اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے اس میں مریض کی حالت کی رعایت کی گئی ہے اس لئے حکم یہ ہے کہ اگرچہ عام حالات میں فرائض میں قیام فرض اور ضروری ہے لیکن اگر کوئی آدمی کسی عذر کی بناء پر کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو شریعت نے اس کو اجازت دی ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھے لیکن یہ محفوظ رہنا چاہئے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا اس وقت جائز ہوتا ہے جب کہ انسان میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو عام طور پر لوگ اس میں احتیاط نہیں کرتے اور ذرا سی تکلیف میں بھی بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ریل گاڑی وغیرہ کے سفر میں بھی عموماً لوگ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں اور قبلہ رخ

بھی نہیں ہوتے بلکہ عام خیال یہ ہے کہ گاڑی میں جس طرف بھی رخ ہو نماز پڑھنا جائز ہے حالانکہ شرعاً یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اس طرح نماز نہیں ہوتی ہے لوگ اپنی نمازیں ضائع کرتے ہیں اس میں احتیاط کی ضرورت ہے بیٹھ کر مرض یا عذر کی وجہ سے نماز پڑھنا اس وقت جائز ہوتا ہے جبکہ آدمی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی استطاعت بالکل نہ ہو۔

اسی طرح اگر بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر لیٹ کر اشارے سے رکوع سجدہ کرتے ہوئے نماز پڑھے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم۔

"اللہ کا ذکر کرو کھڑے کھڑے اور بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے۔۔۔۔"

حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ مجھے بواسیر کا مرض تھا میں نے نبی اکرم ﷺ سے نماز کے متعلق پوچھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو پھر بیٹھ کر پڑھو اگر بیٹھ کر پڑھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر لیٹ کر اشارے سے پڑھو۔

سنن نسائی میں اس روایت میں یوں ہے کہ پہلو کے بل لیٹ کر پڑھو اور اگر پہلو کے بل نہیں لیٹ سکتے تو پھر پیٹھ کے بل چت لیٹ کر پڑھو۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ ایک آدمی کی عیادت کی آپ نے دیکھا کہ وہ بیمار آدمی تکیہ رکھ کر اس پر سجدہ کر کے نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ زمین پر نماز پڑھو اور اگر زمین پر بیماری کی وجہ سے نہیں پڑھ سکتے ہو یعنی سجدہ نہیں کر سکتے ہو تو پھر اشارہ کر لیا کرو البتہ سجدے کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ جھک کر کیا کرو۔

طاقت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ رکوع اور قیام میں اتنی تکلیف ہوتی ہو جس کو مریض برداشت نہ کر سکتا ہو یا یہ کہ سجدہ اور رکوع کرنے سے اس مرض و تکلیف کے بڑھنے کا قوی اندیشہ ہو یا مثلاً رکوع اور قیام وغیرہ کرنے سے چکر آنے اور بے ہوش ہونے کا خطرہ ہو جیسے کہ بعض بیماریوں میں ہوتا ہے۔

بیٹھ کر نماز پڑھنے میں اگر تشہد کی حالت میں بیٹھ سکتا ہے تو پھر اسی حالت میں بیٹھ کر پڑھے البتہ اگر تشہد کی حالت میں بیٹھنا بھی ممکن نہ ہو تو پھر چوکور یعنی آلتی پالتی مار کر بیٹھنا بھی بوجہ عذر جائز ہوگا چنانچہ حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ میں نے ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کو عذر کی وجہ سے آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

اگر کوئی شخص بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو تو بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ پھر پہلو کے بل روبقبلہ لیٹ کر نماز پڑھے اور اگر پہلو کے بل لیٹنا بھی ممکن نہ ہو تو پھر پیٹھ کے بل چت لیٹ کر نماز پڑھے پیر قبلے کی جانب پھیلا دے۔ ابن المنذر اور بعض دوسرے فقہاء نے اس صورت کو اختیار کیا ہے اور ایک ضعیف حدیث میں بھی یہ طریقہ منقول ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں پیٹھ کے بل چت لیٹ کر پڑھنے کو اولیٰ اور بہتر قرار دیا ہے اس صورت میں سر کے نیچے تکیہ رکھنا بہتر ہے تاکہ بیٹھنے کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مریض اگر قدرت رکھتا ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر کھڑے ہونے کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے اگر بیٹھ کر سجدہ اور رکوع کرنے کی بھی قدرت نہ ہو تو سیدھے کروٹ پر لیٹ کر قبلہ رو ہو کر پڑھے اور اگر سیدھے کروٹ پر بھی نہیں لیٹ سکتا ہو تو پیٹھ کے بل چت لیٹ کر نماز پڑھے اور پیر قبلہ کی جانب پھیلا دے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ مریض جس طرح بھی چاہے نماز پڑھ لیا کرے یعنی لیٹ کر یا بیٹھ کر جس طرح اس کے لئے آسانی ہو کیونکہ بندہ اپنی قدرت کے مطابق مکلف ہوتا ہے۔

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مریض اگر لیٹ کر اشارے سے بھی نماز نہیں پڑھ سکتا ہے تو پھر اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوتا۔

بیمار کے لئے روزہ رکھنا

عیادت کرنے والے کو چاہئے کہ وہ مریض کی حالت کو دیکھے اگر اس میں نفل روزہ رکھنے کی قوت ہو تو اس کو نفل روزہ رکھنے کی ترغیب دے کیونکہ روزے کے متعلق حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ روزہ ڈھال ہے۔ یہ گناہوں اور روح بدن دل سب کی بیماریوں کے لئے ڈھال ہے۔ اس کے منافع بے شمار ہیں اور خصوصاً صحت کی حفاظت کے لئے بہت مفید اور موثر ہے۔ بدن کے اندر مختلف فاسد مواد کو ختم کر دیتا ہے ویسے بھی بدن غیر ضروری اور ضرر رساں اشیاء کے کھانے سے محفوظ ہوتا ہے خصوصاً جب افطار و سحری کے وقت اعتدال و میانہ روی سے کام لیا جائے۔

روزہ رکھنے میں انسان کے مختلف قویٰ اور اعضاء کو راحت ملتی ہے اور ان اعضاء کے مسالح اور قوتیں محفوظ رہتی ہیں جن لوگوں کے مزاج میں ٹھنڈک اور رطوبت زیادہ ہو ان کے لئے روزہ رکھنا بہت فائدہ مند ہوتا ہے اور ان کی صحت کی حفاظت ہوتی ہے خاص کر جب روزہ دار روزہ میں ان امور کا لحاظ رکھے جو طبعاً اور شرعاً ضروری ہے تو پھر روزہ رکھنے کا فائدہ قلب و بدن کو زیادہ محسوس ہوتا ہے کیونکہ فاسد مواد رک جاتا ہے اور خراب مواد جو پیٹ وبدن میں جمع ہوتا ہے ختم ہو جاتا ہے جس کی بناء پر روزہ رکھنے والے کی صحت کی حفاظت ہو جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ محمود خطاب السبکی نے الدین الخالص میں لکھا ہے کہ روزہ رکھنا ڈھال ہے جو انسان کو ایسے امور سے محفوظ رکھتا ہے جو اب یا آئندہ اس کے قلب و بدن کے لئے ضرر رساں ہو سکتے ہیں چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔

"اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ"

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۳)

یعنی روزہ رکھنے کا حکم حضرت آدم کے زمانہ سے اب تک جاری ہے۔

(کما فی تفسیر عثمانی)

روزہ رکھنے سے نفس کو اس کی مرغوبات سے روکنے کی عادت پڑے گی تو پھر اس عادت کی بناء پر تم نفس کو ان مرغوبات سے روک سکو گے جو شرعاً حرام ہیں۔ نیز روزہ رکھنے سے نفس کی قوت و شہوت میں ضعف آئے گا تو اس سے تم متقی بن جاؤ گے۔ بڑی حکمت روزہ میں یہی ہے کہ نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے احکام جو نفس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں ان کا کرنا سہل اور آسان ہو جائے۔

قرآن کریم کی شفاء

عیادت کرنے والے کو چاہئے کہ مریض کو شفاء قرآنی کی تلقین کرے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وننزل من القرآن ماھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین۔

"اور ہم اتارتے ہیں قرآن کریم میں سے (وہ آیتیں) جو شفاء ہے اور رحمت ہے اہل ایمان کے لئے"

(سورۃ الاسراء آیت ۸۲)

یعنی قرآن کریم جس طرح باطنی امراض شرک کفر گمراہی وغیرہ کے لئے شفا ہے اسی طرح یہ ظاہری اور جسمانی امراض کے لئے بھی شفاء ہے۔

روح المعانی میں علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی اور امام ابن قیم نے زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔ قرآن کریم پورا کا پورا ہر قسم کی روحانی اور جسمانی امراض کے لئے باعث شفاء ہے۔

حارث الاعور نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا سب سے بہتر دوا قرآن کریم ہے۔

امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب الطب النبوی میں لکھا ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے درد کی شکایت کی آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم کو دیکھو یعنی سر یا آنکھوں میں اگر تکلیف ہو تو صرف قرآن کریم کو دیکھنا بھی شفاء کا باعث بنتا ہے۔

امام سبکیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن کریم امراض قلبیہ، بدنیہ امراض دنیویہ و اخرویہ سب کے لئے شفاء ہے لیکن ہر آدمی قرآن کریم سے شفاء حاصل نہیں کر سکتا ہے کیونکہ اس کے لئے حسن اعتقاد شرط ہے لہذا اگر کوئی بیمار حسن اعتقاد کے ساتھ اچھے طریقے سے صدق و ایمان اور قبولیت تامہ اور کامل اعتقاد کے ساتھ اس کو کسی مرض کے لئے بطور دوا پڑھے اور استعمال کرے تو شفاء ضرور ہوتی ہے اور کوئی بیماری اس کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتی ہے ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کے مقابلے میں کوئی بیماری ٹھہر بھی کیسے سکتی ہے وہ زمین و آسمان کے خالق و مالک ہیں اگر اس کلام کو پہاڑوں پر اتار دیتے تو وہ خوف و خشیت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے انسان کے بدن میں ظاہری اور باطنی جتنے امراض ہو سکتے ہیں قرآن کریم میں اس کی شفاء یا اس کی دوا اور سبب کا ذکر ضرور ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کسی کو فہم ثاقب عطاء فرمائے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلی علیھم ان فی ذلک لرحمۃ و ذکری لقوم

یؤمنون۔

"کیا لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں رحمت ہے اور نصیحت ہے ایمان لانے والوں کے لئے"

یعنی اس کتاب میں رحمت ہے اور یہی لوگوں کے لئے کافی ہے بشرطیکہ کوئی شخص یقین و اعتماد و اعتقاد کے ساتھ اس رحمت سے بہرور ہونا چاہے اس لئے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو قرآن کریم سے شفاء حاصل نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو شفاء نہ دے اور جس کے لئے قرآن کافی نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی کفایت ہی نہ کرے۔ قرآن کریم سے شفاء حاصل کرنے کے متعلق احادیث اور بزرگانِ دین کے اقوال میں مختلف سورتوں اور آیات کے جو خواص منقول ہیں ہم ان کو ذکر کر دیتے ہیں۔

(۱) سورۃ فاتحہ: اس سورۃ کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ یہ پوری شفاء ہے انتہائی نفع مند دوا ہے اور مجرب دم ہے اس سے ہر قسم کی تکلیف رفع ہوتی ہے، یہ سورۃ مالداری اور کامیابی کی کنجی سمجھی جاتی ہے قوت حافظہ کے لئے بھی مفید ہے خوف، غم اور پریشانی ختم کرنے کے لئے اس کا پڑھنا نہایت مفید ہے غرضیکہ حسن اعتقاد کی ساتھ جس پریشانی اور مرض کے لئے اس کو پڑھا جائے فائدہ ہوتا ہے۔

عبدالملک بن عمیر سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا سورۃ فاتحہ ہر مرض کی شفاء ہے۔

حضرت ابو سعید الخدری سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے کچھ صحابہ ایک سفر میں ایک قبیلے کے پاس جا کر اترے چونکہ سفر میں تھے کھانے پینے کے اشیاء کی ضرورت تھی قبیلے والوں سے سوال کیا کہ ہمیں کچھ دو لیکن انہوں نے انکار کیا کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ حضرات ابھی تک وہیں ٹھہرے ہوئے تھے کہ اس قبیلے کے سردار کو سانپ یا اور کسی چیز نے کاٹا لوگوں نے ہر دوائی استعمال کی لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ان اجنبی لوگوں سے پوچھنا چاہئے جو ہمارے قبیلے کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں شاید ان کے پاس کوئی علاج ہو۔ چنانچہ ان صحابہ کے پاس آکر کہنے لگے کہ ہمارے قبیلے کے سردار کو کسی چیز نے کاٹا ہے ہم نے بہت علاج کیا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی علاج ہے، ان صحابہ میں سے ایک نے کہا کہ ہاں میرے پاس

اس کا دم ہے لیکن چونکہ ہم ضرورت مند تھے اور تم نے ہمیں کھانا نہیں کھلایا اس لئے میں بھی بغیر معاوضہ کے تمہارے سردار کا علاج نہیں کروں گا جب تک کہ تم میرے لئے کوئی معاوضہ مقرر نہ کر دو۔

ان لوگوں نے دم کی عوض میں چند بکریاں دیں چنانچہ ان صحابی نے جا کر سورۃ فاتحہ پڑھی اور تکلیف کے مقام پر دم کر کے تھوک بھی لگایا وہ آدمی دم کے بعد اس طرح ایک دم ٹھیک ہو کر اٹھا جیسے کہ کسی رسی سے بندھا ہوا تھا اور کھول دیا گیا ہو ان لوگوں نے معاوضہ کی بکریاں حوالے کر دیں۔ جب بکریاں مل گئیں تو ساتھیوں میں سے کچھ نے کہا کہ اس کو سب ساتھیوں میں تقسیم کر دو لیکن دم کرنے والے نے کہا کہ نہیں ابھی صبر کرو جب تک ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس جا کر اس کے متعلق پوچھ نہ لیں کہ آپ کیا فرماتے ہیں اس وقت تک ان بکریوں کو کوئی ہاتھ بھی نہ لگائے۔ چنانچہ جب وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کے سامنے پورا واقعہ بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تجھے کیا معلوم تھا کہ سورۃ فاتحہ اس قسم کے بیماریوں کے لئے دم ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے صحیح کیا ان بکریوں کو تقسیم کرو اور میرے لئے بھی اس میں حصہ مقرر کرو۔

خارجہ بن الصلت التمیمی کے چچا علاقہ بن صحار سے روایت ہے کہ میں مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا پھر کچھ دن آپ کے پاس گذارنے کے بعد واپس گھر روانہ ہوا واپسی میں ایک قوم پر میرا گذر ہوا ان میں ایک آدمی پاگل تھا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اس کے گھر والوں کو جب میرے مسلمان ہونے اور نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کرنے کا علم ہوا تو مجھ سے کہنے لگے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارا پیغمبر اللہ تعالیٰ کے ہاں سے خیر اور بھلائی لایا ہے تو کیا تمہارے پاس ہمارے اس مریض کے لئے بھی کوئی علاج ہے یا نہیں۔ چنانچہ میں نے اس پاگل کو سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ بالکل ٹھیک ہو گیا ان لوگوں نے خوش ہو کر مجھے سو بکریاں دیں میں وہیں سے واپس ہوا اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا پورا واقعہ ذکر کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے سورۃ فاتحہ کے علاوہ اور بھی کچھ پڑھا تھا میں نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا کہ یہ بکریاں لے لو مجھے قسم ہے زندگی دینے والے کی کہ اگر لوگ باطل اور ناجائز جھاڑ پھونک پر لوگوں سے کھاتے ہیں تو تم نے حق اور صحیح دم پر کھایا۔ یعنی تمہارے لئے اس کا کھانا جائز ہے۔

سنن ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ میں نے تین دن صبح شام اس پر سورۃ فاتحہ پڑھی جب میں سورہ فاتحہ پڑھ کر ختم کرتا تو تھوک جمع کر کے اس پر تھوڑا تھوکتا وہ ایسا ٹھیک ہوا کہ گویا رسی سے کھول دیا گیا ہو۔

عثجرہ نے لکھا ہے کہ سورہ فاتحہ کی آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین ہی دم ہے۔ علامہ سبکیؒ نے لکھا ہے کہ سورۃ فاتحہ کے ذریعے سے جو دوا یعنی دم کیا جاتا ہے یہ دونوں کلمات اس دوا کے اہم اجزا ہیں کیونکہ یہ دونوں کلمات توکل اور تفویض استعانت والتجاء پر مشتمل ہیں نیز ان میں بندگی کے اصل مقصد یعنی رب کی عبادت کا بھی ذکر اور اشرف الوسائل یعنی توسل بالاعمال بھی ہیں۔ امام ابن قیم الجوزیہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا وہاں بیمار ہوا کوئی معالج بھی میسر نہیں تھا اور دوا بھی نہیں تھی میں زم زم کے پانی کو لے کر اس پر سورۃ فاتحہ پڑھتا اور پھر پی لیتا۔ چنانچہ کئی دفعہ اس طرح عمل کرتے ہوئے میری بیماری ختم ہوئی پھر اس تجربے کے بعد میں نے بہت ساری تکالیف اور بیماریوں کے لئے اس کو استعمال کیا جس سے مجھے بہت فائدہ ہوا بعض روایات میں اس سورۃ کا نام ہے سورۃ شفاء بتایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سورۃ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خصوصی شفاء رکھی ہے۔

(۲) سورۃ البقرہ: اس سورت کے بارے میں بھی احادیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ اس کو حفاظت کے لئے پڑھنا چاہئے۔

نیز اس کی بعض آیات کے متعلق خصوصی طور پر تاکید فرمائی۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ بقرہ میں ایک ایسی آیت ہے کہ جو قرآن کریم کی تمام آیات کی سردار ہے جب کسی ایسے گھر میں یہ آیت پڑھی جائے جس میں شیطان کا ٹھکانا ہو تو وہ نکل جاتا ہے۔ یہ آیت آیت الکرسی کے نام سے قرآن کریم میں مشہور ہے۔

ابن الاحوصؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے۔ (یعنی بلندی اور عظمت ہوتی ہے) اور قرآن کریم کا کوہان (یعنی بلندی و عظمت) سورۃ البقرہ ہے۔ شیطان جب کسی گھر میں ہوتا ہے اور سورۃ بقرہ سن لیتا ہے تو اس گھر سے نکل کر بھاگ جاتا ہے۔

شعبیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے سورۃ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں، آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں اور سورۃ کی آخری تین آیتیں پڑھی تو اس دن اس کے اور اس کے گھر والوں کے قریب شیطان نہیں آئے گا اور نہ اس دن کوئی تکلیف دہ اور ناپسندیدہ معاملہ پیش آئے گا۔ یہ آیتیں جب کسی مجنون پر پڑھی جائے تو اس میں بھی افاقہ ہو گا۔

ابو سنان حضرت مغیرہ بن سبیع سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جس شخص نے سونے سے پہلے سورۃ بقرہ کی مندرجہ ذیل دس آیتیں پڑھیں وہ اگر قرآن کریم کا حافظ ہو گا تو قرآن کریم و کبھی بھی نہیں بھولے گا،

۱۔ چار ابتدائی آیتیں
۲۔ آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں، اور
۳۔ آخری تین آیتیں۔

آسانی کے لئے ان آیات مبارکہ کے الفاظ قرآن کریم سے یہاں لکھے جاتے ہیں۔

(۱) الم ○ ذلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین ○ الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنھم ینفقون ○ والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون ○

(۲) اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ مافی السمٰوٰت ومافی الارض من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم ○ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم ○ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیاء ھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات اولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خالدون ○

(۳) للہ مافی السمٰوٰت وما فی الارض وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ

يحاسبكم به الله فيغفر لمن يشاء و يعذب من يشاء والله على كل شئ قدير ○ أمن الرسول بما انزل اليه من ربه والمؤمنون كل امن بالله وملئكته وكتبه ورسله لانفرق بين احد من رسله وقالوا سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير ○ لا يكلف الله نفسا الا وسعها لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت ربنا لاتؤاخذنا ان نسينا او اخطانا ربنا ولا تحمل علينا اصرا كما حملته على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكفرين ○

معوذات

قرآن کریم کی آخری دو سورتوں کو معوذتین یا سورۃ اخلاص کو ساتھ ملا کر معوذات کہا جاتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں ان دونوں سورتوں کو بھی مختلف امراض و مصائب میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امام سبکیؒ نے اپنی کتاب الدین الخالص ج ۷، میں لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سونے سے پہلے حفاظت کی خاطر سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھا کرتے تھے۔

چنانچہ معمرؒ نے امام زہریؒ سے انہوں نے عروہؓ سے اور عروہؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ مرض وفات میں نبی اکرم ﷺ معوذتین کی سورتیں پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کرتے تھے، یعنی پڑھ کر اپنے ہاتھ پر پھونکتے تھے اور پھر ہاتھ پورے بدن پر پھیرا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ زیادہ بیمار ہو گئے تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ ﷺ کے ہاتھ پر پھونکتی تھی اور پھر آپ ﷺ کا ہاتھ آپ ﷺ کے بدن پر پھیرا کرتی تھی۔ کیونکہ آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک میں برکت زیادہ تھی۔

دانت کے درد کا علاج

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دانت میں درد ہو تو اپنی انگلی کو درد والے دانت پر رکھ کر یہ آیت پڑھے۔

وهو الذى انشاكم من نفس واحدة فمستقر ومستودع قد فصلنا الأيات لقوم يفقهون۔

ان سورتوں کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی شہرہ آفاق تفسیر معارف القرآن میں لکھا ہے یہ سورت سورہ فلق اور اس کے بعد کی سورہ ناس دونوں سورتیں ایک ساتھ ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے ان دونوں کی تفسیر یکجا لکھی ہے اس میں فرمایا ہے کہ ان دونوں سورتوں کے منافع اور برکات اور سب لوگوں کو ان کی حاجت و ضرورت ایسی ہے کہ کوئی انسان ان سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

ان دونوں سورتوں کو سحر اور نظر بد اور تمام آفات جسمانی و روحانی کے دور کرنے میں تاثیر عظیم ہے اور حقیقت کو سمجھا جائے تو انسان کو اس کی ضرورت اپنے سانس اور کھانے پینے اور لباس سب چیزوں سے زیادہ ہے اس کا واقعہ مسند احمد میں اس طرح آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا جس کے اثر سے آپ بیمار ہو گئے، جبرئیل امین نے آکر آپ ﷺ کو اطلاع کی کہ آپ پر ایک یہودی نے جادو کیا ہے اور جادو کا عمل جس چیز میں کیا گیا ہے وہ فلاں کنویں کے اندر ہے آنحضرت ﷺ نے وہاں آدمی بھیجے وہ یہ جادو کی چیز کنویں سے نکال لائے اس میں گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان گرہوں کو کھول دیا، اسی وقت آپ ﷺ بالکل تندرست ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اور اگرچہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اس یہودی کا نام بتلا دیا تھا اور آپ ﷺ اس کو جانتے تھے مگر اپنے نفس کے معاملے میں کسی سے انتقام لینا آپ ﷺ کی عادت نہ تھی اس لئے عمر بھر اس یہودی سے کچھ نہیں کہا اور نہ کبھی اس کی موجودگی میں آپ ﷺ کے چہرہ مبارک سے کسی شکایت کے آثار پائے گئے۔ (وہ منافق ہونے کی وجہ سے حاضر باش تھا) اور صحیح بخاری کی روایت حضرت عائشہؓ نے یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کر لیا ہے مگر وہ نہیں کیا ہوتا۔ پھر ایک روز آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے، ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا ایک پاؤں کی طرف، سرہانے والے نے دوسرے سے کہا کہ ان کو کیا تکلیف ہے دوسرے نے کہا کہ یہ مسحور ہیں، اس نے پوچھا کہ سحر ان پر کس نے کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ لبید بن عاصم نے جو یہودیوں کا حلیف منافق ہے۔ اس نے پوچھا کہ کس چیز میں جادو کیا ہے، اس نے بتلایا کہ ایک کنگھے اور اس کے دندانوں میں، پھر اس نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے تو اس نے بتلایا کہ کھجور

کے اس غلاف میں جس میں کھجور کا پھل پیدا ہوتا ہے وہ بئر ذروان (ایک کنویں کا نام ہے) میں ایک پتھر کے نیچے مدفون ہے۔ آپ ﷺ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور اس کو نکال لیا اور فرمایا کہ مجھے خواب میں یہی کنواں دکھلایا گیا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے اس کا اعلان کیوں نہ کر دیا (کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے شفا دے دی ہے اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کے لئے کسی تکلیف کا سبب بنوں (مطلب یہ تھا کہ اس کا اعلان ہوتا تو لوگ اس کو قتل کر دیتے یا تکلیف پہنچاتے) اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کا یہ مرض چھ مہینے تک رہا اور بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ جن صحابہ کرامؓ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کام لبید بن عاصم نے کیا ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم اس خبیث کو کیوں قتل نہ کر دیں، آپ ﷺ نے وہی جواب دیا جو صدیقہ عائشہؓ کو دیا تھا اور امام ثعلبی کی روایت میں ہے کہ ایک لڑکا آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتا تھا، اس منافق یہودی نے اس کو بہلا پھسلا کر رسول اللہ ﷺ کا کنگھا اور کچھ اس کے دندانے اس سے حاصل کر لئے اور ایک تانت کے تار میں گیارہ گرہیں لگائیں، ہر گرہ میں ایک سوئی لگائی کنگھے کے ساتھ اس کو کھجور کے پھل کے غلاف میں رکھ کر ایک کنویں میں پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں جن میں گیارہ آیتیں ہیں آپ ہر گرہ پر ایک ایک آیت پڑھ کر ایک ایک کھولتے رہے۔ یہاں تک کہ سب گرہیں کھل گئیں اور آپ سے اچانک ایک بوجھ سا اتر گیا۔

(یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں)

سحر کے اثر سے متاثر ہو جانا نبوت و رسالت کے منافی نہیں

جو لوگ سحر کی حقیقت سے ناواقف ہیں ان کو تعجب ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر کیسے ہو سکتا ہے۔ سحر کی حقیقت اور اس کے اقسام و احکام پوری تفصیل کے ساتھ سورہ بقرہ کی تفسیر معارف القرآن جلد اول ص ۲۱۷ تا ص ۲۲۳ میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ وہاں دیکھ لئے جائیں۔ خلاصہ اس کا جس کا جاننا یہاں ضروری ہے اتنا ہے کہ سحر کا اثر بھی اسباب طبعیہ کا اثر ہوتا ہے جیسے آگ سے جلنا یا گرم ہونا، پانی سے سرد ہونا، بعض اسباب طبعیہ سے بخار ہو جانا یا مختلف قسم کے درد و امراض کا پیدا ہو جانا ایک امر طبعی

ہے جس سے پیغمبر و انبیاء مستثنیٰ نہیں ہوتے اسی طرح سحر و جادو کا اثر بھی اسی قسم سے ہے اس لئے کوئی بعید نہیں۔

معوذتین ہر قسم کی دنیوی اور دینی آفات سے حفاظت کا قلعہ ہیں، ان کے فضائل

یہ تو مومن کا عقیدہ ہے کہ دنیا و آخرت کا ہر نفع نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ بغیر اس کی مشیت کے کوئی کسی کو ایک ذرہ کا نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا تو دنیا و آخرت کی تمام آفات سے محفوظ رہنے کا اصل ذریعہ ایک ہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دے دے اور اپنے عمل سے اس کی پناہ میں آنے کے قابل بننے کی کوشش کرے۔ ان دونوں سورتوں میں پہلی یعنی سورہ فلق میں تو دنیاوی آفات سے اللہ کی پناہ مانگنے کی تعلیم ہے اور دوسری سورت یعنی سورہ ناس میں اخروی آفات سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ مستند احادیث میں ان دونوں سورتوں کے بڑے فضائل اور برکات منقول ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کچھ خبر ہے آج کی رات اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی آیات نازل فرمائی ہیں کہ ان کی مثل نہیں دیکھی یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تورات، انجیل اور زبور اور قرآن میں بھی ان کی مثل کوئی دوسری سورت نہیں ہے۔ ایک دوسری روایت انہی حضرت عقبہ سے ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو معوذتین پڑھائی اور پھر مغرب کی نماز میں انہی دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ ان سورتوں کو سونے کے وقت بھی پڑھا کرو اور پھر اٹھنے کے وقت بھی (رواہ النسائی) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی۔

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی بیماری پیش آتی تو یہ سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے سارے بدن پر پھیر لیتے تھے۔ پھر جب مرض وفات میں آپ کی تکلیف بڑھی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں پر دم کر دیتی تھی آپ اپنے تمام بدن پر پھیر لیتے تھے۔ میں یہ کام اس لئے کرتی تھی کہ

حضرت کے مبارک ہاتھوں کا بدل میرے ہاتھ نہ ہو سکتے تھے۔

(رواہ الامام مالک)

(یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر سے نقل کی گئی ہیں)

اور حضرت عبداللہ بن حبیب سے روایت ہے کہ ایک رات میں بارش اور سخت اندھیری تھی ہم رسول ؐ کو تلاش کرنے کے لئے نکلے، جب آپ کو پایا تو آپ ؐ نے فرمایا کہ کہو، میں نے عرض کیا کہ کیا کہوں، آپ ﷺ نے فرمایا قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھو، جب صبح ہو اور جب شام ہو تین مرتبہ یہ پڑھنا تمہارے لئے ہر تکلیف سے امان ہوگا۔ (رواہ الترمذی، ابوداؤد والنسائی، مظہری)

خلاصہ یہ ہے کہ تمام آفات سے محفوظ رہنے کے لئے یہ دو سورتیں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کا معمول تھا۔

جنون اور مرگی کا علاج

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی مجلس مبارک میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی آدمی آیا اور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میرا ایک بھائی ہے جو بیمار ہے آپ نے اس کی بیماری پوچھی، اس نے بتایا کہ اس پر جنون کا اثر ہے یا مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو اپنے سامنے بٹھایا اور قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر اس پر پھونکیں،

۱۔ سورۃ الفاتحہ

۲۔ سورۃ البقرۃ کی ابتدائی چار آیتیں اور آیات نمبر ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶۔

۳۔ سورۃ العمران آیت نمبر ۱۸

۴۔ سورۃ الاعراف آیت ۵۴

۵۔ سورۃ المومنون آیات ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸

۶۔ سورۃ الجن آیت ۳

۷۔ سورۃ الصافات آیت ۱ تا ۱۰ تک

۸۔ سورۃ الحشر کی آخری چار آیات یعنی آیت ۲۱ تا ۲۴

(اخرجہ ابن احمد فی زوائد المسند والبیھقی والحاکم فی المستدرک کتاب الرقی والتمائم ص ۴۱۲ ج ۴ قال والحدیث محفوظ ولم یخرجاہ وقال الذھبی والحدیث منکر)

ان آیات مبارکہ کے الفاظ کو قرآن کریم سے ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

۱۔ الحمد للہ رب العلمین ۞ الرحمٰن الرحیم ۞ مالک یوم الدین ۞ ایاک نعبد وایاک نستعین ۞ اھدنا الصراط المستقیم ۞ صراط الذین انعمت علیھم ۞ غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ۞

۲۔ الم ۞ ذلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین ۞ الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنھم ینفقون ۞ والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون ۞

۳۔ والھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم ۞ ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السمآء من مآء فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دآبۃ وتصریف الریٰح والسحاب المسخر بین السمآء والارض لایٰت لقوم یعقلون ۞

۴۔ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ مافی السمٰوٰت ومافی الارض من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شآء وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم ۞ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقٰی لا انفصام لھا واللہ سمیع علیم ۞ اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیاء ھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات اولئک اصحب النار ھم فیھا خالدون ۞

۵۔ للہ مافی السموت وما فی الارض وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ

يحاسبكم به الله فيغفر لمن يشاء و يعذب من يشاء والله على كل شئ قدير ○
أمن الرسول بما انزل اليه من ربه والمؤمنون كل أمن بالله وملئكته و كتبه و رسله
لانفرق بين احد من رسله وقالوا سمعنا و اطعنا غفرانك ربنا واليك المصير ○
لا يكلف الله نفسا الا وسعها لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت ربنا لاتؤاخذنا ان
نسينا او اخطانا ربنا ولا تحمل علينا اصراً كما حملته على الذين من قبلنا ربنا
ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا
على القوم الكفرين ○

٦۔ شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة و اولوا العلم قائما بالقسط لا اله الا هو
العزيز الحكيم ○

٧۔ ان ربكم الله الذى خلق السموت والارض فى ستة ايام ثم استوىٰ على
العرش يغشى اليل النهار يطلبه حثيثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات
بامره الا له الخلق والامر تبٰرك الله رب العلمين ○

٨۔ فتعلى الله الملك الحق لا اله الا هو رب العرش الكريم ○ ومن يدع مع الله
الٰها أخر لا برهان له به فانما حسابه عند ربه انه لا يفلح الكفرون ○ وقل رب
اغفر وارحم وانت خير الراحمين ○

٩۔ وانه تعالى جد ربنا ما اتخذ صاحبة ولا ولداً ○

١٠۔ والصفت صفا ○ فالزجرت زجرا ○ فالتليت ذكرا ○ ان الهكم لواحد ○
رب السموت والارض وما بينهما ورب المشارق ○ انا زينا السماء الدنيا بزينة
الكواكب ○ وحفظا من كل ○ شيطن مارد لا يسمعون الى الملا الاعلى
ويقذفون من كل جانب ○ دحورا ولهم عذاب واصب ○ الا من خطف
الخطفة فاتبعه شهاب ثاقب ○

١١۔ لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرايته خاشعا متصدعا من خشية الله وتلك

الامثال نضربها للناس لعلهم يتفكرون ○ هو الله الذى لا اله الا هو علم الغيب
والشهادة هو الرحمٰن الرحيم ○ هو الله الذى لا اله الا هو الملك القدوس
السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر سبحٰن الله عما يشركون ○ هو الله
الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنى يسبح له ما فى السموت والارض
وهو العزيز الحكيم ○

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ ان احادیث مبارکہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آدمی اپنی کسی بیماری میں ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع ہی نہ کرے البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور نبی اکرم ﷺ کی بات کی تصدیق کے ساتھ ان بیان کردہ امور پر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرما دیتے ہیں۔ اس لئے امراض ظاہریہ میں ڈاکٹر اور حکیم سے بھی رجوع کرنا چاہئے اور ان بیان کردہ امور پر بھی عمل کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ شفاء اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جب اور جہاں چاہتے ہیں اور جس چیز سے چاہتے ہیں شفاء عطا فرما دیتے ہیں البتہ نبی اکرم ﷺ کے ثابت شدہ فرمودات کی تصدیق ضرور کرنی چاہئے چاہے اس طریقے پر عمل کرنے سے شفاء حاصل ہو یا نہ ہو کیونکہ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق آپ کی ہر بات وحی سے ہوتی ہے اس قسم کے امور میں ازخود کچھ نہیں فرماتے۔

وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحى يوحىٰ۔

اس معاملے میں اس مومن شاعر کی طرح ایمان ہونا چاہئے۔

ذهبت انادى طبيب الورىٰ
وروحى تنادى طبيب السماء
طبيبين ذاك ليعطى الدواء
وذاك ليجعل فيه الشفاء

"میں اپنی تکلیف و بیماری میں انسانی طبیب کو پکار رہا تھا اور میری روح آسمانی طبیب (یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ) کو پکار رہی تھی۔ یہ دو طبیب ہیں، ایک تو دواء دینے کے لئے اور دوسرا اس میں شفاء ڈالنے کے لئے"

اللھم اشفنا واشف جمیع المسلمین ○ آمین

تیسرا حق، جنازے کی مشایعت

(۱) جنازے کی مشایعت یعنی قبرستان تک اس کے ساتھ جانا اور اس کے دفن میں شریک ہونا فرض کفایہ ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی نبی اکرم ﷺ سے اس کی تاکید و فضائل منقول ہے اور اس پر امت کا اجماعت و اتفاق بھی ہے۔

چنانچہ حضرت ابو سعید الخدریؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا مریض کی عیادت کرو، جنازے کے ساتھ جایا کرو یہ عمل تمہیں آخرت یاد دلایا کرے گا۔

اس عمل کی فضیلت میں نبی اکرم ﷺ سے بہت ساری احادیث منقول ہیں۔

۔ حضرت ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے جنازے کی مشایعت کی یعنی اس کے ساتھ قبرستان تک گیا اور اس پر نماز میں بھی شریک ہوا تو اس کو دو قیراط اجر ملے گا جن میں سے ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہو گا۔

خبابؓ (جو صاحب المقصورہ کی لقب سے مشہور ہیں) سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک جنازے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ کیا آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی بات نہیں سنی جس کو وہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو گھر سے جنازے کے ساتھ نکلا پھر اس کی نماز بھی پڑھی اور پھر دفن تک اس کے ساتھ رہا تو ایسے شخص کو دو قیراط اجر ملے گا، ان میں سے ہر قیراط احد کے پہاڑ کے برابر ہو گا۔ حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ کو اس حدیث پر کچھ تعجب ہوا تو اس کی تحقیق کے لئے کسی کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی تصدیق کی، جب حدیث کی تصدیق ہو گئی کہ واقعتہً یہ نبی اکرم ﷺ کا فرمودہ ہے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے بہت سے قیراطوں کے حصول میں کوتاہی کی کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عادت اس سے پہلے یہ تھی کہ جنازے کی نماز پڑھ کر واپس گھر تشریف لاتے تھے اور قبرستان تک ساتھ نہیں جایا کرتے تھے۔

اب ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم لوگ کتنے بڑے ثواب کے حصول میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ یہ کوئی اتنا مشکل کام نہیں ہے لیکن اس بڑے

ثواب کے حصول میں چھوٹی مشغولیتیں، فضول مجالس آڑے آتی ہیں اور ہم اس ثواب کے حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ دل میں ایمان کی کمی کی وجہ سے ثواب کی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔

(۲) فقہاء نے لکھا ہے کہ مردوں کے لئے بالاجماع مستحب ہے کہ وہ جنازے کے ساتھ قبرستان تک جائیں اور دفن تک وہیں رہیں۔

(۳) جنازے سے آگے چلنا بھی جائز ہے اور پیچھے یا ساتھ چلنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جنازے کو رخصت کرنے جا رہے ہو لہذا مہمان کو رخصت کرنے والوں کی طرح اس کے آگے پیچھے دائیں اور بائیں چلو لیکن جنازے کے قریب چلو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ قریب چلنا چاہئے چاہے آگے چلے یا پیچھے دائیں چلے یا بائیں۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ وغیر ھم کے ہاں جنازے سے آگے چلنا افضل ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر الصدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو جنازے کے آگے چلتے ہوئے دیکھا۔

مسند احمد کی ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ جنازے کے آگے چلتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ بھی جنازے کے آگے چلا کرتے تھے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والے درحقیقت سفارشی ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں میت کی مغفرت کی سفارش کرنے جا رہے ہیں اور سفارش کرنے والے عموماً جس کی سفارش کے لئے جاتے ہیں اس سے پہلے اور آگے جاتے ہیں اور جس کی سفارش کی جاتی ہے وہ پیچھے ہوتا ہے اس کے بارے میں بعض روایات میں بھی یہی حکمت ذکر کی گئی ہے۔ چنانچہ مشہور تابعی حضرت حازمؒ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت حسنؓ بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو جنازے کے آگے چلتے ہوئے دیکھا۔ جب جنازہ رکھ دیا جاتا تو وہ بھی بیٹھ جایا کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمد بن حسن شیبانیؒ، امام اوزاعیؒ وغیر ھم کی رائے

یہ ہے کہ جنازے کے پیچھے چلنا زیادہ افضل ہے کیونکہ حضرت براءؓ بن عازب کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں جنازے کی اتباع کا حکم دیا ہے اور مریض کی عیادت کا۔

اب اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے کیونکہ اتباع پیچھے چلنے کو کہا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حدیث کے پورے الفاظ یوں منقول ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے روکا جن چیزوں کا حکم دیا وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جنازے کی اتباع۔
۲۔ مریض کی بیمار پرسی۔
۳۔ دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنا۔
۴۔ مظلوم کی مدد۔
۵۔ قسم اٹھانے والے کی قسم کو پورا کرنے کے لئے اس کی مدد کرنا۔
۶۔ سلام کا جواب دینا۔
۷۔ چھینکنے والا اگر الحمدللہ کہہ دے تو یرحمک اللہ کہہ کر اس کا جواب دینا۔

اور جن سات چیزوں سے روکا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ چاندی کے برتن کے استعمال سے۔
۲۔ سونے کی انگوٹھی پہننے سے۔
۳۔ عام ریشم کے کپڑے سے۔
۴۔ دیباج سے یہ بھی ریشمی کپڑا ہے۔
۵۔ قسی سے (ایک خاص قسم کا ریشمی کپڑا)۔
۶۔ استبرق سے یہ بھی ایک خاص قسم کا ریشمی کپڑا ہے۔
۷۔ اور ریشمی گدیلے سے۔

اس حدیث میں جنازے کی اتباع کا حکم ہے اور جیسے کہ عرض کیا کہ اتباع پیچھے چلنے کو کہا جاتا ہے۔

مسروقؒ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر امت کا ایک قربان ہوتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کرنے کے لئے خاص تحفہ) اور اس امت کا

قربان اس کے مردے ہیں لہذا اپنے مردوں کو آگے رکھا کرو یعنی جنازہ آگے ہو اور تم پیچھے چلو۔

طاؤس فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہمیشہ جنازے کے پیچھے چلا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد حضرت عمروؓ بن العاصؓ نے موت کے وقت ان کو وصیت کی کہ جب میرا جنازہ اٹھایا جائے تو درمیانی چال چلو، نہ زیادہ تیز اور نہ بہت آہستہ اور جنازے کے پیچھے چل اس لئے کہ جنازے کے سامنے کا حصہ فرشتوں کے لئے ہے اور پچھلا حصہ انسانوں کے لئے۔

امام سبکیؒ نے اپنی کتاب الدین الخالص ج ۷، میں لکھا ہے کہ جن احادیث میں جنازے سے آگے چلنے کا ذکر ہے تو وہ بیان جواز پر محمول ہیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں گذرا کہ گویا نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اپنے عمل کے ذریعے سے لوگوں کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ جنازے کے پیچھے بھی چلنا جائز ہے اگرچہ افضل آگے چلنا ہے یا دوسرے لوگوں کی آسانی کے لئے یہ حضرات آگے چلتے تھے تاکہ ان کے چلنے سے دوسرے لوگ حرج اور تکلیف میں واقع نہ ہو جیسے کہ زائدہؒ نے حضرت عبدالرحمن بن ابزی کے بیٹے سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جنازے سے آگے چلتے تھے اور حضرت علیؓ جنازے سے پیچھے چلتے تھے، کسی نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ یہ دونوں حضرات تو جنازے سے آگے آگے چلتے ہیں، آپ کیوں پیچھے چلتے ہیں تو فرمایا کہ یہ دونوں حضرات بھی جانتے ہیں کہ جنازے کے پیچھے چلنا آگے چلنے سے اتنا افضل ہے جتنا کہ جماعت کی نماز اکیلے نماز پڑھنے سے افضل ہے البتہ یہ حضرات عام لوگوں کی آسانی کی خاطر آگے آگے چلتے ہیں۔

جماعت کی نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ثواب میں ستائیس ۲۷ گنا زیادہ ہوتی ہے جیسے کہ حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے تو گویا جنازے کے پیچھے چلنے میں آگے چلنے کی بنسبت ستائیس گنا زیادہ ثواب ہے۔

آسانی کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگ تو جنازے سے آگے نہیں چلتے تھے اگر یہ حضرات یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی عام لوگوں کے ساتھ پیچھے چلتے تو راستہ تنگ ہو جاتا کیونکہ ان حضرات کی بزرگی اور عزت و عظمت کی وجہ سے لوگ ان کے لئے راستہ چھوڑتے

جس کی وجہ سے عام لوگ جنازے کے قریب نہ پہنچ پاتے، اس لئے یہ حضرات جنازے سے آگے چلا کرتے تھے تاکہ عام لوگ جنازے کے قریب چل سکیں اور ان کی وجہ سے لوگ حرج میں واقع نہ ہو۔ حضرت عبد اللہ بن یسارؒ نے حضرت عمروؓ بن حریث سے نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ جنازے سے آگے چلنے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں، فرمایا کہ جنازے کے پیچھے چلنا آگے چلنے سے اتنا افضل ہے جتنا کہ فرض نماز نفل نماز سے افضل ہے۔ میں نے پھر پوچھا کہ میں نے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو جنازے کے آگے چلتے ہوئے دیکھا ہے فرمایا کہ وہ حضرات اس وجہ سے آگے چلتے تھے کہ وہ اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی وجہ سے عام لوگ حرج میں واقع ہو۔

حضرت انسؓ بن مالک اور سفیانؒ ثوری کا مذہب یہ ہے کہ جنازے کے آگے پیچھے دائیں بائیں چلنا ثواب کے اعتبار سے برابر ہے جیسے کہ پہلے اس سلسلے میں حضرت انسؓ کی روایت گذری۔ نیز حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی سواری پر ہو تو اس کو جنازے کے پیچھے چلنا چاہئے اور جو لوگ پیدل ساتھ جا رہے ہوں تو وہ چاہے آگے چلیں یا پیچھے یا دائیں یا بائیں البتہ جنازے کے قریب چلیں تاکہ اٹھانے کی ضرورت ہو تو وہ اس میں مدد کر سکیں۔

امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ میں جنازے کے پیچھے چلنے کو زیادہ افضل جانتا ہوں کیونکہ جنازے کے ساتھ چلنے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی یہ نصیحت حاصل کرلے کہ ایک دن میں بھی اپنی زندگی کے ایام پورے کر کے اسی طرح مر جاؤں گا اور مجھے بھی اسی طرح جنازے کی چارپائی پر اٹھا کر قبر کے اندھیرے میں دفن کرنے کے لئے لے جایا جائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد جنازے کے پیچھے چلنے سے بنسبت آگے چلنے کے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ اس بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ جنازے کے ساتھ چلنے والے کو چاہئے کہ میت کی جگہ اپنا تصور کرے کہ جیسے اس شخص نے اپنی زندگی کے ماہ و سال پورے کئے اور اب قبر کی طرف لے جایا جا رہا ہے حالانکہ اس کے دل میں کتنی امیدیں اور آرزوئیں ہوں گی۔ اسی طرح میں بھی اپنی امیدوں اور آرزوں کی تکمیل نہیں کر پاؤں گا اور مجھے بھی موت آجائے گی اور پھر مجھے بھی اسی طرح اٹھا کر لے جایا جائے گا اور قبر میں دفن کر دیا جائے گا پھر حساب و کتاب اور سوال و جواب کا مرحلہ درپیش ہو گا اور اللہ تبارک و تعالیٰ میرے اعمال کے

مطابق میرا فیصلہ فرمائیں گے لہذا اسی وقت سے مجھے اس کی تیاری کرنی چاہئے اور اگر اب تک اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کی تو اب کرنی چاہئے کیونکہ زندگی چاہے جتنی بھی طویل ہو لیکن ہر جاندار ایک دن موت کا مزا ضرور چکھے گا۔ کما قیل؛

کل ابن انثی وان طالت سلامتہ
فیوما علی آلة الحدباء محمول

"ہر انسان چاہے اس کی زندگی جتنی بھی لمبی ہو جائے لیکن ایک دن اس جنازے کی چارپائی پر ضرور اٹھایا جائے گا"

اس لئے جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس قول کو یاد رکھنا چاہئے کہ

کل نفس ذائقة الموت وانما توفون اجورکم یوم القیامة فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز وما الحیوة الدنیا الا متاع الغرور۔

(سورۃ آل عمران آیت ۱۸۵)

مفہوم: ہر جاندار کو موت کا مزا چکھنا ہے اور مرنے کے بعد تم کو پوری پاداش (یعنی بدلہ) تمہاری بھلائی و برائی کی قیامت کے روز مل جائے گی پس جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو وہ پورا کامیاب ہوا۔ اسی طرح جو جنت میں داخل نہ ہوا اور دوزخ میں ڈالا گیا تو وہ ناکام ہوا۔ دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں یہ تو دھوکے کا سودا ہے جس کی ظاہری آب و تاب کو دیکھ کر خریدار پھنس جاتا ہے بعد میں اس کی قلعی کھل جاتی ہے تو پھر افسوس کرتا ہے اسی طرح دنیا کی ظاہری چمک دمک سے دھوکہ کھا کر آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا اور پھر آخرت میں اپنے عمل کی جزاء و سزا پائے گا جو شدید بھی ہوگی اور مدید بھی۔ لہذا عقلمند کو اس کی فکر میں لگنا چاہئے اور اس آیت کی رو سے کامیاب صرف وہ شخص ہے کہ جس کو دوزخ سے چھٹکارا مل جائے اور جنت میں داخل ہو جائے خواہ ابتداء بغیر کسی عذاب کے داخل ہو جائے جیسے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور بعض صلحاء اور علماء کے ساتھ معاملہ ہوگا اور یا کچھ سزا بھگتنے کے بعد آدمی جنت میں داخل کیا جائے گا جیسے کہ گناہ

گار مسلمانوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا مگر مسلمان سب کے سب آخر کار جہنم سے نجات پا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت کی راحتوں اور نعمتوں کے مالک بن جائیں گے اور کفار کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ وہ اگر دنیا کی چند روزہ راحت پر مغرور ہوں تو دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔ اس لئے آیت کے آخری حصہ میں فرمایا کہ دنیا کی زندگی تو دھوکہ کا سامان ہے کیونکہ عموماً یہاں کی لذتیں آخرت کی شدید تکالیف کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور یہاں کی تکالیف عموماً آخرت کے لئے ذخیرہ راحت بن جاتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مدنظر رہنا چاہئے کہ

اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ۔

(سورۃ النساء آیت ۷۸)

"جہاں کہیں بھی تم ہوگے موت تم کو آپکڑے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ ہو۔"

یعنی تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں موت آدبائے گی، اگرچہ پختہ اور مضبوط قلعوں ہی میں کیوں نہ ہو۔ غرض جب موت اپنے وقت پر ضرور آئے گی اور مر کر دنیا چھوڑنا ہی پڑے گی تو پھر آخرت میں خالی ہاتھ کیوں جاؤ بلکہ عقل کی بات تو یہ ہے کہ چند روزے۔ جہد بکن باقی خند یعنی چند روز محنت کر پھر باقی ایام خوشی اور سکون سے رہ۔

اس آیت کے ذیل میں تفسیر ابن کثیر میں ابن ابی حاتم اور ابن جریر کی تفسیر کے حوالے سے مجاہد سے ایک عجیب و غریب واقعہ نقل کیا ہے کہ پچھلی امتوں میں ایک عورت حاملہ تھی جب وضع حمل ہوا تو بچی پیدا ہوئی، عورت نے اپنے ملازم کو پڑوسیوں کے ہاں آگ لانے کے لئے بھیجا جب وہ دروازے سے نکلا تو غیب سے ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس ملازم سے پوچھا کہ عورت نے کیا جنا ہے؟ اس نے بتایا کہ لڑکی، اس فرشتے نے کہا کہ تم یاد رکھو یہ لڑکی سو آدمیوں سے زنا کرے گی اور پھر مکڑی سے اس کی موت واقع ہوگی۔

وہ ملازم وہیں سے گھر میں واپس آیا اور اس نومولود بچی کا پیٹ چھری سے چاک کر کے بھاگ گیا۔ جب بچی کی ماں نے دیکھا تو اس نے بچی کے زخموں کو سیا اور علاج کیا اللہ کی قدرت کہ بچی صحت یاب ہوگئی اور بڑی ہوگئی اور اس کی ماں مر گئی۔ یہ لڑکی اس شہر

کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔ بدکاری میں مبتلا ہوگئی۔ ملازم بھاگ گیا تھا اور کشتی میں سوار ہو کر دوسرے شہر چلا گیا وہاں اس نے کافی مال و دولت کمایا اور پھر اسی شہر میں واپس آگیا۔ یہاں آکر ایک بوڑھی عورت سے کہا کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں اور اس شہر میں جو لڑکی سب سے زیادہ خوبصورت ہوگی اس سے شادی کروں گا چاہے جتنی بھی دولت خرچ ہو، اس بوڑھی عورت نے اس لڑکی کا پتہ بتایا۔ غرضیکہ دونوں کی شادی ہوگئی۔ جب تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ وہی لڑکی ہے جس کو اس آدمی نے قتل کرنا چاہا تھا لیکن وہ زندہ رہی۔ اس لڑکی نے زنا کا اقرار بھی کیا لیکن کہا کہ مجھے تعداد معلوم نہیں کہ میں نے کتنے مردوں سے زنا کیا ہوگا۔ شوہر نے بتایا کہ یقیناً اس فرشتے کی خبر کے مطابق ان کی تعداد سو ہوگی اور پھر یہ بھی بتایا کہ تمہاری موت مکڑی سے ہوگی۔ وہ شوہر چونکہ اس پر فریفتہ ہو چکا تھا اس لئے اس نے اس عورت کے لئے ایک عالی شان مضبوط اور محفوظ محل تیار کرایا جس میں مکڑی کا گذر نہ ہو سکے لیکن ایک دن دونوں لیٹے ہوئے تھے کہ دیوار پر ایک مکڑی نظر آئی اس عورت نے کہا کہ کیا مکڑی یہی ہے جس سے تم مجھے ڈراتے رہتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں، عورت نے بھاگ کر اس مکڑی کو گرایا اور پیر سے مسل دیا، وہ زہریلی مکڑی تھی، مکڑی تو ہلاک ہوگئی لیکن اس کے زہر کی کچھ چھینٹیں اس کے پاؤں اور ناخنوں پر پڑ گئیں جو اس عورت کے موت کا سبب بن گئی۔ اب دیکھئے کہ یہ عورت ایک صاف ستھرے مضبوط اور محفوظ محل میں اچانک ایک مکڑی کے ذریعہ ہلاک ہوگئی۔ اس کے بالمقابل کتنے لوگ ایسے ہیں کہ عمر بھر جنگوں اور معرکوں میں گذار دیتے ہیں لیکن موت سامنے ہوتے ہوئی بھی نہیں آتی ہے۔ حضرت خالد بن ولید جو اسلام کے سپاہی اور معروف جرنیل تھے اور نبی اکرم ﷺ نے ان کو سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا تھا۔ پوری عمر شہادت کی تمنا میں مصروف جہاد رہے اور ہزاروں کافروں کو تہ تیغ کیا اور دعا کرتے رہے کہ میری موت عورتوں کی طرح گھر میں چارپائی پر نہ ہو لیکن آخر کار موت اپنے گھر میں چارپائی پر واقع ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ زندگی اور موت کا نظام قادر مطلق نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہے۔ جب وہ چاہے تو آرام کے بستر پر ایک مکڑی کے ذریعہ مار دے اور بچانا چاہے تو تلواروں کی چھاؤں میں ہزاروں دشمنوں کے درمیان بچالے۔

نیز جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بھی ذہن میں حاضر کرنا

چاہئے کہ کل من علیها فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (سورہ رحمن آیت ۲۶، ۲۷) یعنی جو بھی اس روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گے صرف آپ کے پروردگار کی ذات جو عظمت اور احسان والی ہے باقی رہ جائے گی۔ جب سب جانداروں کے لئے فنا ہے تو سوچنا چاہئے کہ میں بھی باقی نہیں رہوں گا۔ ان آیات مبارکہ سے یہ مضمون پوری تاکید کے ساتھ ثابت ہوا کہ اس دنیا میں کسی جاندار کی بقاء اور کسی کے لئے ہمیشہ کی زندگی نہیں ہے اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات عالی کے سوا کسی کے لئے یہاں بقاء ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے محبوب جناب نبی اکرم ﷺ ہمیشہ رہتے کیونکہ وہ اس خلود کے سب سے زیادہ حقدار ہوتے۔ کماقیل

لوکانت الدنیا تدوم لواحد
لکان رسول اللہ فیها مخلداً

یعنی اگر اس دنیا میں کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہتا تو نبی اکرم ﷺ ہمیشہ اس دنیا میں رہتے لیکن جیسے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی شخص ہمیشہ کے لئے زندہ نہیں رہ سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس اٹل فیصلے کو دنیا کی کوئی ہستی بدل نہیں سکتی ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو بار بار اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ موت کا ذکر زیادہ کیا کرو تاکہ اس کا استحضار رہے اور اس کے لئے تیاری جاری رہے۔

چنانچہ محمد بن مسلمہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ لذتوں کو ختم کرنے والی چیز یعنی موت کا ذکر زیادہ کیا کرو تاکہ استحضار رہے۔

ابن حبان کی روایت میں مذکور ہے کہ جب آدمی تنگی میں موت کو یاد کرتا ہے تو وسعت پیدا ہوتی اور جب مالک کی وسعت میں موت کو یاد کیا جاتا ہے تو پھر اس سے دل تنگ ہو جاتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ قول نقل کیا گیا تھا کہ اے دنیا تو ان نیک لوگوں کے ہاں کتنی بے قیمت ہے جن کے سامنے تو زینت کے ساتھ پیش ہوتی ہے۔ میں نے ان دلوں میں تیری ناپسندیگی رکھی ہے۔

میری مخلوق میں میرے نزدیک تو سب سے زیادہ بے قیمت ہے میں نے جس دن تجھے پیدا کیا تو یہ فیصلہ کیا تھا کہ نہ تو کسی کے لئے ہمیشہ رہے گی اور نہ تیرے لئے کوئی ہمیشہ رہے گا۔ کماقیل،

سیصیر المرء یوما جسدا مافیہ روح
"عنقریب ہر انسان بغیر روح کے صرف جسد باقی رہے گا"

بین عینی کل حی علم الموت یلوح
"ہر زندہ انسان کی آنکھوں کے درمیان موت کی علامت چمک رہی ہے"

کلنا فی غفلة والموت یغدو ویروح
"ہم سب غفلت میں ہیں حالانکہ موت صبح اور شام آتی جاتی ہے"

نح علی نفسک یا مسکین ان کنت تنوح
"اے مسکین اگر رونا چاہتا ہے تو اپنے آپ پر رولے"

لتموتن وان عمرت ماعمر نوح
"تم ضرور مروگے اگرچہ تمہاری زندگی اتنی طویل ہو جائے جتنی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی تھی"

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ موت کے بعد پیش آنے والی زندگی کی تیاری میں لگا رہے تاکہ حدیث کی رو سے اس کا شمار سب سے زیادہ ہوشیار لوگوں میں ہو۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا میرے ساتھ ۹ آدمی اور تھے میں دسواں تھا، مجلس میں ایک انصاری صحابی نے کھڑے ہو کر نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ لوگوں میں سے ہوشیار آدمی کون ہے؟ فرمایا کہ جو لوگ موت کو سب سے زیادہ یاد کرتے ہیں اور موت کے لئے زیادہ تیاری کرتے ہیں تو وہ سب سے زیادہ ہوشیار لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی عزت اور آخرت کی کرامت و عزت دونوں حاصل کرلیں۔

موت کی تمنا

ان مذکورہ احادیث کا یا دنیا کی مذمت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آدمی موت کی تمنا کرے۔ امام سبکیؒ نے لکھا ہے کہ دنیا کی مصائب اور مشکلات سے گھبرا کر موت کی تمنا اور

دعا کرنا یا کسی مرض، فقر و فاقہ اور محنت کے کام سے تنگ آ کر موت چاہنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کو یاد نہ کرے اور نہ وقت سے پہلے موت کی دعا کیا کرے کیونکہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، مؤمن کی عمر کی طوالت تو اس کے لئے خیر بڑھاتی ہے۔

حضرت ام الفضلؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک دفعہ اپنے چچا اور میرے شوہر حضرت عباسؓ کی بیمار پرسی کے لئے ہمارے گھر تشریف لائے (آپ کے سامنے) حضرت عباسؓ نے شدت مرض سے تنگ آ کر موت کی تمنا کی تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چچا جان آپ موت کی تمنا ہرگز نہ کیجئے اگر آپ کے نیک عمل ہوں گے تو زندگی سے آپ کے نیک اعمال میں اور اضافہ ہوگا اور اگر خدا نہ خواستہ آپ گناہ گار ہوں تو شاید تاخیر سے توبہ کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ لہذا آپ کے لئے موت کی تمنا کسی بھی صورت میں مناسب نہیں۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی پیش آمدہ تکلیف کی وجہ سے ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اور اگر تمنا کرنا ہی ہو تو یوں کہے کہ اے اللہ جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہے مجھے زندہ رکھو اور جب آپ کے علم میں موت میرے لئے بہتر ہو تو پھر مجھے موت دے دیجئے۔

امام سبکیؒ نے لکھا ہے کہ ان احادیث میں موت کی تمنا کی جو ممانعت کی گئی ہے یہ اس صورت میں ہے جب آدمی کسی بیماری یا دنیوی تکلیف سے گھبرا کر موت کی تمنا کرے کیونکہ صحیح احادیث میں یہ جملہ بھی منقول ہے کہ تم میں سے کوئی شخص پیش آمدہ تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔ البتہ اگر کسی دینی اور اخروی نقصان کا اندیشہ ہو یا کسی فتنے میں واقع ہونے کا اندیشہ ہو جس سے بچنے کے لئے آدمی موت کی تمنا کرے تو یہ جائز ہے جیسے کہ امام بخاریؒ سے اسی قسم کا واقعہ منقول ہے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تھا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ کچھ مانگنا ہو تو مانگ لے۔ آپ نے فرمایا کہ

"اے اللہ میں سوال کرتا ہوں کہ مجھے نیکیوں کی توفیق عطا ہو اور منکرات و گناہوں سے

بچالے، مسکینوں اور غریبوں کی محبت عطا فرما۔ میری بخشش فرما اور مجھ پر رحم کر اے اللہ جب کسی قوم کو فتنے اور امتحان میں ڈالنے کا فیصلہ ہو تو مجھے اس فتنے اور امتحان میں پڑنے سے پہلے اٹھا لے۔ اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے محبوبوں کی محبت اور ایسے عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دے۔

اس حدیث میں امتحان اور فتنہ میں واقع ہونے سے پہلے موت کی تمنا اور دعا کی گئی ہے جس سے ایسے موقعہ پر موت کی تمنا کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

آدمی کو چاہئے کہ موت کی یاد اس کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ اور اعمال صالحہ کی طرف توجہ کا سبب بنے اور ان اسباب سے دور رہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف ہو بلکہ موت کی یاد سے یہ یقین اور پختہ ہونا چاہئے کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ زندگی لہو و لعب اور فضول ضائع کرنے کے لئے نہیں ہے کچھ فکر آخرت بھی ہونی چاہئے تاکہ وہ حال نہ ہو جس کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان الفاظ سے فرمایا ہے کہ

قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔

"کیا ہم تم کو ان لوگوں کی حالت بتائیں جن کے کئے ہوئے اعمال بے کار ہو گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی محنت اکارت ہو گئی دنیا کی زندگی میں، حالانکہ وہ سمجھتے رہے کہ ہم خوب کام بنا رہے ہیں"

(سورۃ الکھف آیت ۱۰۳ - ۱۴۰)

یعنی قیامت کے دن سب سے زیادہ خسارے میں وہ لوگ ہوں گے جن کی ساری دوڑ دھوپ دنیا کے لئے تھی آخرت کا کبھی خیال بھی نہیں آیا، محض دنیا کی ترقیات اور مادی کامیابیوں کو بڑی معراج سمجھتے رہے۔ یہ جان لینا چاہئے کہ یہ دنیا دھوکہ میں پڑنے والوں کی میراث ہے، فاسق لوگوں کا میدان ہے اور دنیا میں رغبت رکھنے والوں کے لئے بازار ہے، باطل پرستوں کا ٹھکانا ہے، اہل ایمان کے لئے قید خانہ ہے، اہل تقویٰ کے لئے کوڑا دان ہے، عمل کرنے والوں کی کھیتی ہے، دنیا کی حقیقت کے متعلق حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ اس کی ابتداء رونے سے ہوتی ہے، درمیانہ عرصہ محنت و مشقت کا ہے اور آخری انجام فنا ہے۔

دنیا کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول کو سمجھنا چاہئے جس میں ارشاد ہے کہ

اعلموآ انما الحیٰوة الدنیا لعب ولھو وزینة وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والا ولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فترا ○ مصفر اثم یکون حطاما وفی الأخرة عذاب شدید ومغفرة من اللہ ورضوان وما الحیٰوة الدنیا الا متاع الغرور۔

"تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض کھیل کود اور ظاہری زینت اور ایک دوسرے پر فخر اور اموال و اولاد میں ایک کا دوسرے سے (اپنے آپ کو) زیادہ بتلانا ہے جیسے بارش کہ اس کی پیداوار کاشت کار کو اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے پھر اس کو تم زرد رنگ کا دیکھتے ہو پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور معافی بھی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور رضا مندی اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے"

(سورۃ الحدید آیت ۲۰)

"دنیا ابتداء عمر سے آخر تک جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اور جس میں دنیا دار لوگ مشغول رہتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، اس کا بیان ترتیب کے ساتھ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کا خلاصہ یہ چند چیزیں اور چند حالات ہیں پہلے لعب پھر لھو پھر زینت پھر تفاخر پھر مال و اولاد کی کثرت پر ناز و نخرے اور فخر۔

لعب اس کھیل کو کہا جاتا ہے کہ جس میں بالکل کوئی بھی فائدہ پیش نظر نہ ہو، جیسے بہت چھوٹے بچوں کی حرکتیں اور لھو وہ کھیل جس کا اصل مقصد تو تفریح اور دل بہلانا ہوتا ہے خود وقت گذاری بھی مقصود ہوتی ہے البتہ ضمنی طور پر کوئی ورزش یا دوسرا فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

انسان پر ترتیب سے اس کی زندگی میں جتنے دور آتے ہیں ان میں ہر دور میں وہ اپنے اس حال میں فارغ رہتا ہے اور اس کو سب سے بہتر جان کر اس پر خوش ہوتا ہے جب ایک دور سے دوسرے دور میں منتقل ہوتا ہے تو سابقہ دور کی کمزوری اور لغویت سامنے آجاتی ہے۔ بچے ابتدائی دور میں جن چیزوں کو اپنا سرمایہ زندگی اور سب سے بڑی دولت جانتے

ہیں اگر کوئی ان کو اس کھیل سے منع کر دے تو ان کو ایسا ہی صدمہ ہوتا ہے جیسا کہ کسی بڑے آدمی کا مال و اسباب اور کوٹھی بنگلہ چھین لیا جائے لیکن اس دور سے آگے بڑھنے کے بعد اس کو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے اس وقت مقصود زندگی بنایا ہوا تھا وہ کچھ بھی نہ تھیں سب خرافات تھیں۔ بچپن میں لعب پھر لھو میں مشغولیت رہی جوانی میں زینت اور تفاخر کا مشغلہ ایک مقصد بنا رہا، بڑھاپا آیا تو اب مشغلہ تکاثر فی الاموال والا ولاد کا ہو گیا کہ اپنے مال و دولت کے اعداد و شمار اور اولاد و نسل کی زیادتی پر خوش ہوتا ہے ان کو گنتا اور گنتا رہتا ہے مگر جیسے جوانی کے زمانے میں بچپن کی حرکتیں لغو معلوم ہونے لگیں بڑھاپے میں پہنچ کر جوانی کی حرکتیں لغو و ناقابل التفات نظر آنے لگیں۔ اب بڑے میاں کی آخری منزل بڑھاپا ہے اس میں مال کی بہتات، اولاد کی کثرت و قوت اور ان کے جاہ و منصب پر فخر سرمایہ زندگی اور مقصود اعظم بنا ہوا ہے۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ یہ حال بھی گذر جائے گا کیونکہ یہ بھی پہلی حالتوں کی طرح فانی ہے اگلا دور برزخ اور پھر قیامت کا ہے اس کی فکر کرو کہ وہ اصل ہے۔

قرآن کریم نے اس ترتیب کے ساتھ ان مشاغل و مقاصد دنیویہ کا زوال پذیر، ناقص اور ناقابل اعتماد ہونا بیان فرما دیا اور پھر اس کو ایک کھیتی کی مثال سے واضح فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کھیتی اور دوسری نباتات پھول پھلواریاں جب ہری بھری ہوتی ہیں تو سب دیکھنے والے خصوصاً زمیندار بہت خوش اور مگن نظر آتے ہیں مگر آخر کار پھر خشک ہونا شروع ہوتی ہیں پہلے زرد پیلی پڑجاتی ہیں پھر بالکل خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہیں یہی مثال انسان کی ہے کہ شروع میں ترو تازہ حسین اور خوبصورت ہوتا ہے بچپن سے لے کر جوانی تک کے مراحل اسی حال میں طے کرتا ہے مگر آخر کار بڑھاپا آجاتا ہے جو آہستہ آہستہ بدن کی تازگی اور حسن و جمال سب ختم کر دیتا ہے اور بالآخر یہ انسان مر کر مٹی ہو جاتا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور زوال پذیر ہونے کا بیان فرمانے کے بعد پھر اصل مقصد آخرت کی فکر کی توجہ دلانے کے لئے آخرت کے حال کا بھی ذکر فرمایا کہ وفی الاخرة عذاب شدید و مغفرہ من اللہ ورضوان ○ یعنی آخرت میں انسان ان دو حالتوں میں سے کسی ایک میں ضرور پہنچے گا، ایک حال کفار کا ہے کہ ان کے لئے عذاب شدید ہو گا، دوسرا حال مومنین کا ہے ان کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے۔

اس کے بعد پھر دنیا کی حقیقت کو ان مختصر الفاظ میں بیان فرمایا کہ وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔ یعنی ان سب کو دیکھنے کے بعد ایک عاقل اور صاحب بصیرت انسان کے لئے اس کے سوا کوئی نتیجہ دنیا کے بارے میں نہیں رہ سکتا کہ وہ ایک دھوکہ کا سرمایہ ہے اصلی اور قیمتی سرمایہ نہیں ہے کہ جو آخرت کے آڑے وقت میں کام آسکے لہذا پھر اس دنیا کی بے ثباتی کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ انسان دنیا کی لذتوں میں منہمک نہ ہو آخرت کی نعمتوں کی فکر زیادہ کرے اس لئے کہ اس دنیا کا سرائے فانی ہونا بالکل قطعی اور یقینی ہے اور ہر انسان اس کو چھوڑ کر جائے گا کوئی جلد اور کوئی ذرا دیر سے، جانا کہاں ہوگا؟ یہ سب جانتے ہیں کہ آخری منزل اور دارا القرار آخرت ہی ہے، جیسے کہ ارشاد فرمایا وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان لو کانو یعلمون یعنی اصل زندگی عالم آخرت کی ہے اگر اس کا علم ہوتا۔ لہذا وہاں کی فکر ضروری ہے اس لئے جنازے کے ساتھ چلتے ہوئے آخرت کی فکر اور دنیا کے زوال کا خیال رہنا چاہئے۔

اب ہم جنازے کے ساتھ چلنے کے باقی احکام بیان کریں گے۔

جنازے کے ساتھ چلنے والے کے لئے سواری پر سوار ہونا بھی جائز ہے۔ احناف کی کتب فقہ میں صراحت سے اس کا جواز منقول ہے لیکن افضل اور باعث اجر پیدل جانا ہے کوئی عذر ہو تو پھر بغیر کسی کراہت کے سواری پر چلنا بھی جائز ہے البتہ سوار کو جنازے کے پیچھے چلنا چاہئے آگے چلنا مکروہ ہے کیونکہ یہ لوگوں کے لئے باعث تکلیف بھی ہوتا ہے اور حدیث میں اس کی ممانعت بھی ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ سوار جنازے کے پیچھے چلے۔

جمہور علماء بلا عذر جنازے کے ساتھ سواری پر جانے کو مکروہ فرماتے ہیں جس حدیث میں اجازت منقول ہے جمہور کے ہاں وہ حالت عذر پر محمول ہے۔ چنانچہ حضرت ثوبانؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک جنازے کے ساتھ تھے کہ کچھ لوگوں کو دیکھا جو سواری پر سوار تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم حیاء نہیں کرتے کہ اللہ تعالی کے فرشتے تو پیدل چل رہے ہیں اور تم سواری پر جا رہے ہو۔

اس حدیث کے متعلق احناف فرماتے ہیں کہ آپ نے انکار اس لئے نہیں کیا کہ سوار ہونا جائز تھا بلکہ بغیر کسی عذر کے افضل اور زیادہ باعث ثواب طریقہ ترک کرنے پر آپ

نے ڈانٹا۔

شوافع کا مسلک یہ ہے کہ سوار جنازے کے آگے چلے لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ حضرت مغیرہؓ کی گذشتہ حدیث اس کے خلاف ہے۔ دفن سے فراغت کے بعد سواری پر واپس آنا سب علماء کے ہاں بالاتفاق بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔ حضرت جابر بن سمرۃ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک صحابی ابن الدحداح کے جنازے میں تشریف لے گئے تھے۔ جاتے ہوئے پیدال گئے اور آتے ہوئے گھوڑے پر سوار تھے۔

حضرت ثوبانؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ ایک جنازے کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے۔ سواری لائی گئی لیکن آپ سوار نہیں ہوئے۔ جب فارغ ہو کر واپس تشریف لارہے تھے تو پھر سواری پیش کی گئی آپ سوار ہوگئے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنازے کے ساتھ فرشتے بھی جارہے تھے اس لئے میں جاتے ہوئے سواری پر سوار نہیں ہوا۔

امام سبکیؒ اپنی کتاب الدین الخالص میں فرماتے ہیں کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پیدل چلنے والے کے لئے جنازے کے آگے چلنا افضل ہے اور عذر کی وجہ سے سوار کے لئے پیچھے چلنا افضل ہے اور واپسی میں بلا عذر بھی سواری پر سوار ہونا جائز ہے البتہ ہر حال میں پیدل چلنا زیادہ افضل ہے۔ احناف کے ہاں پیدال چلنے والوں کے لئے بھی جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ جیسے کہ احادیث کے حوالے سے پہلے گذرا۔

جنازے کے ساتھ عورتوں کے جانے کا حکم

خواتین کے لئے جنازے کی مشایعت جائز نہیں ہے کیونکہ خواتین قلت صبر کی بنا پر چیختی چلاتی اور آواز کے ساتھ روتی ہیں جس کو نیاحت کہا جاتا ہے اور احادیث میں اس کی ممانعت ہے اسی طرح ماتم کرتی ہیں اور چہرہ پر مارتی ہیں جس سے مردہ کو بھی تکلیف پہنچتی ہے اور اس جنازے کے ساتھ جانے والوں کو بھی ایذاء پہنچتی ہے۔ اس بناء پر عورتوں کے لئے جنازے کے ساتھ جانے کی ممانعت احادیث مبارکہ میں بکثرت منقول ہے۔

چنانچہ حلیس بن المعتمر عن ابیہ کی سند سے معجم طبرانی کبیر میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ ایک جنازے کی نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک عورت کو جنازے کے قریب آتے دیکھا ان کے ہاتھ میں لوبان کی دھونی دینے کا آلہ بھی تھا جس کو مجمر کہا

جاتا ہے۔ آپ نے اس کو دیکھ کر زور سے ڈانٹا وہ چلی گئی اور مدینے کی آبادی میں غائب ہو گئی۔

محمد بن الحنفیہ نے اپنے والد حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ ایک جنازے میں شرکت کے لئے باہر تشریف لائے، چند عورتوں کو دیکھا جو بیٹھی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم جنازے کے انتظار میں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم میت کو غسل دے سکتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، پھر فرمایا کہ کیا تم جنازہ اٹھا کر لے جا سکتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ کیا میت کو قبر میں اتار سکتی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، فرمایا کہ پھر گناہ کے ساتھ لوٹ جاؤ تمہارے لئے اس میں ثواب نہیں۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے میں ثواب مردوں کے لئے ہے کیونکہ جنازے میں مذکورہ بالا کام مرد ہی کرتے ہیں یہ عورتوں کے کرنے کے کام نہیں ہیں لہذا ان کے لئے جنازے میں جانا باعث ثواب بھی نہیں بلکہ گناہ ہو گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جنازے میں جا رہے تھے، آپ ﷺ نے دور سے ایک خاتون کو آتے ہوئے دیکھا شاید آپ نے پہچانا بھی نہیں تھا کہ کون ہے جب بڑے راستے پر آئے تو آپ ﷺ رک گئے، جب وہ خاتون آپ کے قریب پہنچیں تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ آپ ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ تھیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ فاطمہ تم گھر سے کیوں نکلیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں میت والوں کے ہاں تعزیت کے لیے گئی تھی میں نے تعزیت کی اور میت کے لئے دعائے رحمت کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم جنازے کے ساتھ مقام کدی تک گئی تھیں؟ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ اللہ کی پناہ میں ہرگز جنازے کے ساتھ نہیں گئی اس لئے کہ میں نے آپ سے اس کی ممانعت سنی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم جنازے کے ساتھ مقام کدی تک جاتیں تو پھر جنت کو دیکھ بھی نہ پاتیں۔

امام سبکیؒ نے لکھا ہے کہ ان احادیث کی بناء پر احناف، امام احمدؒ اور جمہور علماء نے عورتوں کے لئے جنازے کے ساتھ جانے کو مکروہ تحریمی کہا ہے۔ ان میں سے اگرچہ بعض احادیث ضعیف ہیں لیکن یہ مضمون کثرت کے ساتھ بہت ساری احادیث میں منقول ہے۔

حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر نبی اکرم ﷺ اس حالت کو دیکھ لیتے جو اب عورتوں کی ہے تو ان کو مسجد جانے سے بھی منع فرما دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کیا گیا تھا۔

اب اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خیر القرون کے بعد عورتوں کے لئے مساجد جانا بھی منع ہے۔ لہذا جنازے کے ساتھ جانا تو بطریق اولیٰ منع ہو گا۔ یہ بات محفوظ رہنی چاہئے کہ یہ بات حضرت عائشہؓ نے اپنے زمانے کی عورتوں کی حالت دیکھ کر ارشاد فرمائی تھی حالانکہ وہ خیر القرون کا دور تھا اور بکثرت صحابہ کرام موجود تھے۔ اب ہمارے زمانے کیا حالت کی ہے؟ یہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔

شوافع کے ہاں عورتوں کے لئے جنازے کے ساتھ جانا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ حضرت ام عطیہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں جنازے کے ساتھ جانے سے منع تو کیا لیکن تاکید کے ساتھ ممانعت نہیں کی اس لئے یہ نہی تنزیہی ہے لیکن احناف اور جمہور فرماتے ہیں کہ یہ ان صحابیہ کا اپنا احساس ہے ورنہ دوسری احادیث میں تاکید کے ساتھ ممانعت بھی منقول ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک جنازے میں شریک تھے حضرت عمرؓ نے ایک عورت کو دیکھا تو اس کو ڈانٹا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عمر چھوڑ دو بے شک آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے اور ابھی زمانہ کفر بھی قریب گذرا ہے۔ لیکن اس حدیث سے بھی عورتوں کا جنازے کے ساتھ جانا ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ یہ حدیث تفصیل کے ساتھ جب دوسری کتابوں میں آئی ہے تو اس میں اس کا ذکر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان خاتون کو رونے سے منع کیا تھا۔ چنانچہ سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے گھر میں کسی کا انتقال ہوا، خواتین جمع ہو کر رونے لگیں، حضرت عمرؓ نے ان کو منع کیا اور بھگایا، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمرؓ چھوڑ دو بے شک آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے اور زمانہ کفر بھی ابھی قریب گذرا ہے۔

اب اس روایت سے ثابت ہوا کہ وہ خواتین رو رہی تھیں اور رونا بھی آواز کے بغیر تھا ورنہ اس کی بھی ممانعت ہے لہذا صحیح یہی ہے کہ خواتین کے لئے جنازے کی مشایعت

کرنا جائز نہیں اور نہ کسی صحیح روایت میں اس کی اجازت ثابت ہے۔

امام مالکؒ کا ایک قول منقول ہے کہ بوڑھی عورتوں کے لئے جنازے کے ساتھ نکلنا تو مطلقاً جائز ہے اور پردے کے ساتھ اس نوجوان عورت کے لئے بھی جائز ہے کہ جس کا کوئی قریبی رشتہ دار مثلاً والد، والدہ، شوہر، بھائی، اولاد، بہن کہ ان قریبی رشتہ داروں کی موت کا صدمہ شدید ہوتا ہے۔ امام مالکؒ کے ہاں یہ اجازت بھی تب ہے کہ جب کسی فتنے کا خوف نہ ہو اور عورت پردے میں نکلے اور کسی ناجائز کام کا ارتکاب نہ کرے۔ اگر فتنہ کا خوف ہو تو پھر ان کے ہاں بھی جواز نہیں ہے مثلاً اگر کوئی عورت نیاحت کرتی ہے یعنی آواز کے ساتھ روتی ہے یا کپڑے پھاڑتی ہے، چہرہ پر مارتی ہے یا بے پردہ نکلی ہے تو پھر اس کے عدم جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

علامہ ابن امیر الحاج نے اپنی شہرہ آفاق کتاب المدخل میں لکھا ہے کہ علماء کا یہ اختلاف جنازے کے ساتھ خواتین کے نکلنے اور نہ نکلنے کے متعلق تھا۔ یہ خیرالقرون کے خواتین کے متعلق تھا۔ حالانکہ وہ خواتین دین کی تابع اور ناجائز باتوں سے احتراز کرنے والی تھیں، ہمارے زمانے کی عورتوں کے متعلق کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ سب اس کو ناجائز فرماتے ہیں کیونکہ کوئی بھی عالم اور دین دار و غیرتمند آدمی اب اس زمانے میں عورتوں کے نکلنے کو گوارا نہیں کرے گا۔

یہ عالم ساتویں صدی ہجری کے آخیر اور آٹھویں صدی، ہجری کی ابتداء میں گذرے ہیں۔ اب ہمارے زمانے کی عورتوں کی جو حالت ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ اب تو عموماً اس قسم کی باہر نکلنے والی خواتین بے پردہ اور نیم برہنہ ہوتی ہیں اس لئے اب تو نکلنا خالص حرام ہوگا۔

جنازے کی مکروہات

(۱) جنازے کے ساتھ جانے والوں کو چاہئے کہ ہنسی مذاق سے پرہیز کریں اور دنیا کی باتوں میں بھی مشغول نہ ہوں۔ نہ اسی طرح میت کے جسد کو برکت کے لئے ہاتھ لگانا اور اس کو چھونا بھی صحیح نہیں جیسے کہ قبر کو برکت کے لئے مس کرنا اور ہاتھ لگانا منع ہے۔ یہ امور ناجائز اور مکروہ ہیں اور ان میں بعض قبیح قسم کی بدعت ہیں۔

(۲) جنازے کے ساتھ آگ لے جانا یا آواز کے ساتھ رونا یا اونچی آواز سے میت کے محاسن

اور خوبیوں کا ذکر کرنا بھی ممنوع ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنازے کے ساتھ آگ اور آواز نہیں ہونی چاہئے۔

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ تین مقامات پر سکوت کو پسند فرماتے ہیں۔ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت (یعنی خاموشی سے سننا چاہئے) جہاد میں بوقت مشغولیت قتال اور جنازے کے ساتھ جاتے وقت۔

جنازے کے ساتھ جاتے وقت شور شغب کرنا زمانہ جاہلیت کی رسوم میں سے ہے اور یہود و نصاریٰ کے افعال میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہود و نصاریٰ جیسے افعال کرنے اور ان جیسی عادات و اطوار اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔

امام سبکیؒ نے اپنی کتاب "الدین الخالص" میں ان احادیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان احادیث کی بناء پر جنازے کے ساتھ جاتے وقت شور و شغب کرنا یا ڈھول بجانا جھنڈے لے جانا، موسیقی بجانا اونچی آواز سے تلاوت یا ذکر کرنا یا اونچی آواز سے کوئی دعا پڑھنا ممنوع اور بدعت ہے۔ صحیح طریقہ وہی ہے جو سلف صالحین کا تھا کہ سکون اور وقار کے ساتھ غور و فکر کرتے ہوئے جنازے کے ساتھ چلتے تھے۔ لہذا جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے یہی حالت و کیفیت ہونی چاہئے۔

(۳) جنازے کے ساتھ اونچی آواز سے ذکر کرنا جیسے کہ بعض علاقوں میں مروج ہے جائز نہیں ہے بلکہ بدعت قبیحہ ہے۔ چنانچہ فتح القدیر اور فتاوے القرویہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ جنازے کے ساتھ چلنے والوں کے لئے اونچی آواز سے ذکر کرنا یہ طریقہ نبی اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعین کے زمانے یعنی خیر القرون میں نہیں تھا لہذا یہ بدعت ہے اور اس کا منع کرنا لازم ہے۔

(۴) جنازے کے ساتھ جانے والوں کے لئے جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے بلا عذر بیٹھنا منع ہے۔ امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحاقؒ سے یہی قول منقول ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ کبھی تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم جنازے کے ساتھ چلو تو جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے مت بیٹھا کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے کبھی بھی ایسا نہیں

دیکھا کہ آپ ﷺ کسی جنازے میں شریک ہوں اور جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے بیٹھے ہوں یعنی آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ جب جنازہ رکھ دیا جاتا تو آپ بیٹھتے اس سے پہلے نہیں بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ کا حکم نقل کیا گیا ہے فرمایا کہ جب تم جنازے کے ساتھ چلو تو اس وقت تک نہ بیٹھو جب تک جنازہ زمین پر رکھ نہ دیا جائے۔

(۵) اسی طرح اظہار غم کے لئے کالے کپڑے پہننا جیسے بعض علاقوں میں بوسیدہ کپڑے پہنے جاتے ہیں مکروہ ہے کیونکہ اظہار غم و حزن کا یہ طریقہ بھی مکروہ ہے اور احادیث میں ایسے امور کی ممانعت کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عمران بن الحصین اور حضرت ابو برزہؓ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ ہم ایک جنازے میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شریک تھے، آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو اظہار غم کے لئے نیم برہنہ تھے یعنی بدن کے اوپر کا حصہ کھلا ہوا تھا اور صرف تہبند پہنے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم زمانہ جاہلیت کے کام کرتے ہو میں نے ارادہ کیا کہ تم کو ایسی بدعا دوں کہ تمہاری صورتیں بدل جائیں انہوں نے آپ کی یہ ڈانٹ جب سنی تو بدن ڈھانپ لیئے اور آیندہ کبھی بھی ایسا نہیں کیا۔

اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس سے حرمت ثابت ہوتی لیکن ضعیف ہے۔

(۶) امام مالکؒ کے ہاں بدعت کرنے والے کی نماز جنازہ میں اقتدا اور اہم لوگوں کے لئے شریک ہونا بھی مکروہ ہے اسی طرح اس قسم کے فاسق و فاجر کی نماز جنازہ میں بھی اہم لوگوں کی شرکت مکروہ ہے۔ فاسق وہ کہلاتے ہیں جو لوگوں کے سامنے بے دھڑک بڑے گناہ کرتے ہیں جیسے شراب پینا اسی طرح اگر کوئی شخص کسی گناہ صغیرہ میں مبتلا ہے لیکن اس کو بے دھڑک لوگوں کے سامنے کرتا ہے تو امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں معاشرے کے عام لوگوں کے لئے اس کے جنازے میں شریک ہونا مکروہ ہے اس سے گناہ کرنے والوں کی حوصلہ شکنی ہوگی۔

(۷) امام مالکؒ کے ہاں اگر میت چھوٹی ہو تو اس کے جنازے اور نعش کو بڑھانا اور بڑا ظاہر کرنا بھی مکروہ ہے یا جنازے پر ریشمی اور قیمتی کپڑا فخرو مباہات کے لئے ڈالنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۸) امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مشہور قول کے مطابق اگر جنازہ گذر رہا ہو تو راستے میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے لئے صرف جنازہ کی تعظیم کے لئے اٹھنا مکروہ ہوگا البتہ اگر جنازے کی مشایعت کا ارادہ ہو تو پھر جائز اور باعث ثواب ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ ابتداء میں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ جب جنازہ گذرے تو بیٹھنے والے کھڑے ہوں لیکن بعد میں پھر آپ ﷺ کے قریب سے جنازہ گذرتا تو آپ ﷺ خود بھی بیٹھے رہتے اور ہم بھی بیٹھے رہتے یعنی جنازہ کی تعظیم کے لئے نہیں اٹھتے۔

ایک روایت میں ہے کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کو کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا تو ہم بھی کھڑے ہوتے رہے بعد میں آپ ﷺ بیٹھے رہتے تو ہم بھی بیٹھے رہتے اور صرف تعظیم کے لئے نہیں اٹھتے۔

ابو معمرؒ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم حضرت علیؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک جنازہ گذرا، لوگ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے آپؓ نے پوچھا کہ تم کیوں کھڑے ہوئے لوگوں نے بتایا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ہمیں جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ ایک دفعہ ایک یہودیہ عورت کا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے اس کے بعد کھڑے نہیں ہوئے۔

یہ سب احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر جنازہ قریب سے گذرے تو اگر ساتھ جانے کا ارادہ ہو تو کھڑا ہو جائے لیکن اگر ساتھ جانے کا ارادہ نہ ہو تو صرف جنازے کی تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہو۔ اس بارے میں علماء کے اقوال میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ البتہ اکثر علماء کا قول وہی ہے جو ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

(۹) جب کسی مسلمان کا جنازہ قریب سے گزرے تو مستحب یہ ہے کہ اس کے لئے دعاء مغفرت کرے اور اگر وہ تعریف کا مستحق ہو تو اس کی تعریف کرے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جنازے کو دیکھ کر یہ دعا پڑھنی چاہئے۔

سبحان الحی الذی لا یموت سبحان الملک القدوس

(۱۰) میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس کچھ دیر رہنا مستحب ہے، حدیث میں اس کی مقدار کے متعلق ذکر ہے کہ اتنی دیر کھڑا رہے جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کے گوشت کو صاف کر کے تقسیم کیا جا سکے۔

جنازے اور دفن کی بعض بدعات

(۱) بعض علاقوں میں جنازے کو بعض بزرگوں کی قبروں پر لے جا کر طواف کرایا جاتا ہے جیسے کہ مصر میں حضرت حسینؓ یا حضرت زینبؓ کی قبروں پر لے جا کر طواف کراتے ہیں پھر مزار کے دروازے پر جنازہ لایا جاتا ہے اور مجاور آ کر کچھ اس قسم کے کلمات کہتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب مزار کے ہاں اس کی سفارش کی جا رہی ہے۔ یہ طریقہ شریعت میں ثابت نہیں ہے لہذا اس کا ناجائز ہونا بالکل واضح ہے۔ نیز اس سے عقائد کی خرابی اور شرک پیدا ہوتا ہے۔ نیز احادیث مبارکہ میں جلد دفن کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہے۔

اسی طرح بعض علاقوں میں جنازے کو گاؤں اور آبادی کے ارد گرد طواف کرایا جاتا ہے اور دور کے راستے سے قبرستان لے جایا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے جاتے ہیں حالانکہ مسنون طریقہ تعجیل یعنی جلدی دفن کا ہے۔

چنانچہ سنن ابی داؤد میں روایت ہے ، حضرت طلحہؓ بن البراءؓ بن عازب جب بیمار ہوئے تو نبی اکرم ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے دیکھا تو ان کے گھر والوں سے الگ ہو کر کہا کہ میں نے محسوس کیا کہ طلحہ پر موت کے اثرات ظاہر ہو چکے ہیں جب انتقال ہو جائے تو مجھے اطلاع دو اور دفن میں جلدی کرو، مسلمان کی لاش کو موت کے بعد گھر میں زیادہ دیر رکھنا مناسب نہیں ہے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جنازہ جلدی لے جایا کرو اگر وہ نیک ہو تو تم اسے خیر کی طرف بڑھا رہے ہو اور اگر برا ہو تو پھر اس برائی کو جلدی گردن سے اتار رہے ہو لہذا دونوں صورتوں میں جلدی بہتر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ تم یہود کی طرح آہستہ مت چلو۔

(۲) بعض لوگ جنازے کی چارپائی پر قیمتی کپڑے یا سونے کے زیورات، اگر میت کوئی فوجی ہو تو اس کے حاصل کردہ تمغے یا پھول وغیرہ رکھے اور ڈالے جاتے ہیں۔ یہ امور بھی خلاف سنت اور ناجائز ہیں۔

(۳) بعض علاقوں میں جنازے کی ساتھ جہراً قرآن کریم پڑھا جاتا ہے یا بلند آواز میں ذکر کیا جاتا ہے، قصیدہ بردہ اور دلائل الخیرات پڑھا جاتا ہے یا اور کوئی ورد اور وظیفہ پڑھا جاتا ہے

یہ بھی خلاف سنت اور ناجائز ہے کیونکہ جنازے کے ساتھ چپ رہ کر چلنا اور موت کو یاد کرنا ہی اس وقت کا مسنون عمل ہے جو سلف صالحین سے منقول ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو بدعت حسنہ قرار دیا ہے لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ امور سنت قولی و فعلی کے خلاف ہیں۔ اس لئے اس موقعہ پر اس قسم کے امور سے اجتناب کرنا چاہئے اور سلف صالحین کے طریقے کی اتباع کرنی چاہئے۔

(۴) بعض علاقوں میں جنازہ نکالتے وقت یا دفن کے بعد قبر کے پاس جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور اس وقت اس کا گوشت تقسیم کرتے ہیں یہ سب امور ناجائز ہیں۔ سنن ابی داؤد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام میں قبر کے پاس ذبح جائز نہیں ہے۔ ان تمام امور پر خود بھی عمل کرنا چاہئے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی بہتر طریقے سے اس کی تعلیم دینی چاہئے۔

ابن قدامہؒ الحنبلی نے اپنے کتاب المغنی میں لکھا ہے کہ اگر جنازے کے ساتھ کوئی ناجائز کام نظر آئے تو اگر آدمی کو اس کے منع کی قدرت و قوت حاصل ہو تو منع کرنا چاہئے اور اگر منع کرنے کی قدرت نہ ہو تو پھر دو قول ہیں۔

۱۔ ایک یہ ہے کہ سمجھا دے اگر وہ نہ مانیں تو بھی یہ جنازے کے ساتھ چلتا رہے اور باطل کی وجہ سے اس حق اور ثواب کو نہ چھوڑے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سمجھانے کے بعد بھی اگر جنازے کے اولیاء نہ مانیں تو جنازے کے ساتھ نہ جائے۔

حضرت فضیلؒ بن عیاض سے نقل کیا گیا ہے کہ ہدایت کی تابعداری کرنی چاہئے اور ہدایت پر چلنے والوں کی قلت تعداد کو نہیں دیکھنا چاہئے اور گمراہی کے راستے سے بچنا چاہئے اور گمراہی پر چلنے والوں کی کثرت تعداد سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔

نوٹ: اس بحث کے اخیر میں مصنف نے جنازے کی مکروہات اور کچھ بدعات کا ذکر کیا تھا لیکن اس میں کچھ بدعات اور رسوم ایسی ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان میں اس کا وجود نہیں ہے۔ یہاں جن بدعات و رسوم کا رواج ہے اس کا ذکر حضرت اقدس جناب ڈاکٹر عبدالحی صاحب نور اللہ مرقدہ کی کتاب "احکام میت" میں تفصیل سے ہے عوام کے فائدے کے لئے حضرت کی کتاب سے باب ہشتم کو جو رسوم و بدعات سے متعلق ہے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

بدعات اور غلط رسمیں

موت، میت اور پسماندگان کے متعلق جو فطری دستور العمل اسلام نے دیا ہے وہ حدیث اور فقہ کی مستند و معتبر کتابوں کے حوالے سے آپ کے سامنے آچکا ہے۔ یہی وہ معتدل اور متوازن طریق کار ہے جو قرآن وسنت اور فقہ میں مسلمانوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ ﷺ کے کتنے ہی لخت جگر اور عزیز و اقارب فوت ہوئے اور کتنے ہی جاں نثار صحابہؓ داغ مفارقت دے گئے، کوئی میدان کارزار میں شہید ہوا، کسی نے بستر علالت پر جان دی، کوئی لاوارث رخصت ہوا، کسی نے اہل و عیال اور رشتہ داروں کو غمگین چھوڑا، کسی کا ترکہ تجہیز و تکفین کے لئے بھی کافی نہ ہوا اور کسی کا مال و دولت اس کے وارثوں میں تقسیم ہوا، ان طرح طرح کے حالات میں رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذات اقدس ہی ان سب کی رہبر و رہنما تھی، جس طرح کا واقعہ پیش آیا اس کے مناسب شرعی احکام و آداب اسی ذات اقدس نے بتائے اور سکھلائے، زبانی تعلیم بھی دی اور عملی تربیت بھی، آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کو جہاں ایمان اور زہد و عبادت سے لے کر جہان فانی تک کے ضابطے اور آئین سکھلا رہے تھے وہیں شادی اور غمی کے احکام و آداب کی بھی تعلیم و تربیت دے رہے تھے، کیونکہ آپ ؐ کا مقصد بعثت ہی یہ تھا کہ امت کے لئے زندگی کا ہر گوشہ آپ ﷺ کی تعلیمات و ہدایات سے روشن ہو جائے۔

چنانچہ آپ ﷺ ان کی ہر شادی و غمی میں شریک رہے، ان کی عیادت بھی فرمائی اور تجہیز و تکفین بھی، نماز جنازہ اور دفن کے انتظامات بھی فرمائے اور تعزیت و ایصال ثواب بھی، قبروں کی زیارت بھی فرمائی اور ان کے ترکہ کی تقسیم بھی، قرضوں کی ادائیگی، وصیتوں پر عمل اور تقسیم میراث بھی، پسماندگان کے ساتھ غمگساری، بیواؤں کی خبر گیری اور یتیموں کی سرپرستی، غرض موت، میت اور پسماندگان سے متعلق ایک مکمل دستور العمل اپنے اقوال و افعال کے ذریعہ امت کو دے گئے۔ کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جو تشنہ رہ گیا ہو یا جو ہمیں کسی قوم سے لینے یا خود ایجاد کرنے کی ضرورت ہو۔

اس پاکیزہ دستور العمل میں انسانی ضرورتوں اور فطری جذبات کی رعایت قدم قدم پر نمایاں ہیں۔ اس میں غمزدوں کے لئے تسلی و غمگساری کا بھی پورا سامان ہے اور انصاف کا بھی نہایت معتدل اور جامع انتظام، میت کا احترام بھی ہر جگہ ملحوظ ہے اور اس کا اخروی

راحت و آرام بھی اور طریق کار ایسا رکھا گیا ہے کہ دنیا کی کوئی تہذیب آج تک اس سے زیادہ آسان پاکیزہ باوقار اور سادہ طریق کار تجویز نہیں کر سکی۔

اس دستور العمل کو آنحضرت ﷺ سے صحابہ کرام نے سیکھ کر تاحیات اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں عمل کیا، اور اس کی زبانی و عملی تعلیم اپنی نسلوں کو کر گئے، محدثین کرام نے اس کی تشریح و توضیح فرمائی اور بعد کے فقہاء کرام نے اپنی کتابوں کے ذریعہ ہم تک اسے من و عن پہنچا دیا، انہی حضرات کی بے مثال کاوشوں کی بدولت آج یہ ہمارے سامنے مکمل و مستند شکل میں موجود ہے۔

لیکن ایک نظر اس دستور العمل پر ڈالنے کے بعد جب دوسری نظر ان بدعتوں اور رسوم و رواج پر ڈالی جاتی ہے جو موت، میت اور پسماندگان کے متعلق ہمارے معاشرہ میں آج وباء کی طرح پھیل چکی ہیں، تو حیرت و افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، یہ المیہ حیرتناک و حسرت ناک نہیں تو پھر کیا ہے؟ کہ جس امت کے پاس ایسا قیمتی اور بے نظیر دستور العمل موجود ہے وہ اسے چھوڑ کر اپنے خود ساختہ یا دیگر مذاہب کی تقلید میں بے ہودہ رسموں اور بدعتوں کی جکڑبند، افراط و تفریط اور طرح طرح کی خرافات میں گرفتار ہے۔

ہماری شامت اعمال کے نتیجہ میں یوں تو ہمارے ہر مذہبی شعبہ میں بدعتوں اور خود ساختہ رسموں کا رواج بڑھتا جا رہا ہے لیکن ان کی جتنی بھرمار موت اور میت کے معاملہ میں ہے شاید ہی اتنی کسی اور شعبہ میں ہو جس گھر میں موت ہو جاتی ہے مہینوں برسوں تک بھی یہ خرافات اس گھر کا پیچھا نہیں چھوڑتیں کہیں ہندوؤں کی رسمیں اختیار کر لی گئی ہیں، کہیں پارسیوں کی، کہیں انگریزی رسم و رواج کو شامل کر لیا گیا ہے کہیں خود ساختہ بدعتوں کو اور ان کی ایسی پابندی کی جاتی ہے جیسے یہ ان پر فرض یا واجب کر دی گئی ہوں، ان جاہلانہ رسموں اور بدعتوں میں کتنا وقت، کتنی محنت اور کتنی دولت برباد کی جاتی ہے، اگر کوئی ان کے اعداد و شمار جمع کرے تو سر پیٹ کر رہ جائے بسا اوقات ان رسموں میں اخراجات میت کے ترکہ سے کئے جاتے ہیں جو یتیم وارثوں پر کھلا ہوا ظلم ہے۔ غرض رحمۃ للعالمین ﷺ کے لائے ہوئے دستور اور نمونہ زندگی کو چھوڑ کر کہیں دوسری قوموں کی مشرکانہ رسموں میں مبتلا ہیں، کہیں خود ساختہ بدعتوں کی بھول بھلیوں میں، حالانکہ قرآن کریم اپنے واشگاف انداز میں اب بھی یہ اعلان کر رہا ہے کہ

لقدکان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

"تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ) کا عمدہ نمونہ موجود ہے۔"

(سورۃ الاحزاب ۲۱)

ہم پیچھے بھی کئی مقامات پر غلط رسموں اور بدعتوں کی نشاندہی کرتے آئے ہیں، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ یہاں بدعت کے موضوع پر کسی قدر تفصیل سے کلام کیا جائے اور ان بدعتوں کی خاص طور پر نشاندہی کی جائے جو زیادہ رائج ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

اذا حدث فی امتی البدع وشتم اصحابی فلیظھر العالم علمہ فمن لم یفعل فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین۔

(کتاب الاعتصام للشاطبی صفحہ ۸۸ ج ۱)

"جب میری امت میں بدعتیں پیدا ہو جائیں اور میرے صحابہؓ کو برا کہا جائے تو اس وقت کے عالم پر لازم ہے کہ اپنا علم دوسروں تک پہنچائے اور جو ایسا نہ کرے گا تو اس پر لعنت ہے اللہ کی فرشتوں کی اور سب انسانوں کی"

(سنت و بدعت ص ۳۹ بحوالہ کتاب الاعتصام)

قبل اس کے کہ ان بدعتوں کی ایک ایک کرکے نشاندہی کی جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کی حقیقت کو اصولی طور پر واضح کر دیا جائے کیونکہ بہت سی بدعتوں میں لوگ محض اس وجہ سے مبتلا ہیں کہ بظاہر وہ "نیکی" معلوم ہوتی ہیں اور ان کو موجب ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے اس کی وجہ دین مبین سے ناواقفی ہے۔

بدعت کیا ہے؟

اصل لغت میں "بدعت" ہر نئی چیز کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً شریعت میں ہر ایسے نو ایجاد طریقہ عبادت کو بدعت کہتے ہیں جو ثواب کی نیت سے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو اور نہ فعلاً، نہ صراحۃً اور نہ اشارۃً۔

(سنت وبدعت ص ۱۱ بحوالہ کتاب الاعتصام)

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ دنیوی ضروریات کے لئے جو جدید آلات اور طریقے روزمرہ ایجاد ہوتے رہتے ہیں ان کا شرعی بدعت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ وہ بطور عبادت اور ثواب کی نیت سے نہیں کئے جاتے یہ سب جائز اور مباح ہیں بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم کے مخالف نہ ہوں، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو عبادت آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرامؓ سے قولاً ثابت ہو یا فعلاً، صراحۃً یا اشارۃً وہ بھی بدعت نہیں ہو سکتی۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس کام کی ضرورت عہد رسالت میں موجود نہ تھی بعد میں کسی دینی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پیدا ہو گئی وہ بھی بدعت میں داخل نہیں جیسے مروجہ مدارس اسلامیہ اور تعلیمی و تبلیغی انجمنیں اور دینی نشر و اشاعت کے ادارے اور قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے صرف و نحو اور ادب عربی اور فصاحت و بلاغت کے فنون یا مخالف اسلام فرقوں کے رد کرنے کے لئے منطق اور فلسفہ کی کتابیں یا جہاد کے لئے جدید اسلحہ اور جدید طریقہ جنگ کی تعلیم وغیرہ کہ یہ سب چیزیں ایک حیثیت سے عبادت بھی ہیں اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عہد میں موجود بھی نہ تھیں مگر پھر بھی ان کو بدعت اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ ان کی ضرورت اس عہد مبارک میں موجود نہ تھی بعد میں جیسی جیسی ضروریات پیدا ہوتی گئیں علماء امت نے اس کو پورا کرنے کے لئے مناسب تدبیریں اور صورتیں حدود و نصوص کے اندر اختیار کر لیں۔

اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب چیزیں نہ اپنی ذات میں عبادت ہیں، نہ کوئی ان کو اس خیال سے کرتا ہے کہ ان میں زیادہ ثواب ملے گا بلکہ وہ چیزیں عبادت کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے عبادت کہلاتی ہیں یعنی کسی منصوص دینی مقصد کو پورا کرنے کے لئے بہ ضرورت زمان و مکان کوئی نئی صورت اختیار کر لینا ممنوع نہیں۔

(سنت و بدعت ص ۱۲)

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن کاموں کی ضرورت عہد رسالت میں اور زمان مابعد میں یکساں ہے ان میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرنا جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت نہیں اس کو بدعت کہا جائے گا اور یہ ازروئے قرآن و حدیث ممنوع و ناجائز ہو گا۔

مثلاً درود و سلام کے وقت کھڑے ہو کر پڑھنے کی پابندی، فقراء کو کھانا کھلا کر ایصال

ثواب کرنے کے لئے کھانا سامنے رکھ کر مختلف سورتیں پڑھنے کی پابندی، نماز باجماعت کے بعد پوری جماعت کے ساتھ کئی کئی مرتبہ دعا مانگنے کی پابندی، ایصال ثواب کے لئے تیجہ، چہلم وغیرہ کی پابندی، رجب و شعبان وغیرہ کی متبرک راتوں میں خود ایجاد قسم کی نمازیں اور ان کے لئے چراغاں وغیرہ اور پھر ان خود ایجاد چیزوں کو فرض و واجب کی طرح سمجھنا، ان میں شریک نہ ہونے والوں پر ملامت اور لعن طعن کرنا وغیرہ۔

(سنت وبدعت ص ۱۴)

ظاہر ہے کہ درود و سلام صدقہ و خیرات اموات کا ایصال ثواب متبرک راتوں میں نماز و عبادت، نمازوں کے بعد دعا یہ سب چیزیں عبادات ہیں، ان کی ضرورت جیسے آج ہے ایسے ہی عہد صحابہ میں بھی تھی ان کے ذریعہ ثواب آخرت اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کا ذوق وشوق جیسے آج کسی نیک بندہ کو ہو سکتا ہے رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو ان سب سے زائد تھا، کون دعوی کر سکتا ہے کہ اس کو صحابہ کرامؓ سے زیادہ ذوق عبادت اور شوق رضاء الٰہی حاصل ہے؟ حضرت حذیفہ ابن یمان فرماتے ہیں کہ

كل عبادة لم يتعبدها اصحاب رسول الله ﷺ فلا تعبدوها فان الاول لم يدع للآخر مقالا فاتقوا الله يا معشر المسلمين وخذوا بطريق من كان قبلكم۔

”اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے“

(سنت وبدعت ص ۱۴ بحوالہ الاعتصام)

بدعت کے ناجائز و ممنوع ہونے کی وجوہ

غور کرنا چاہئے کہ جب یہ سب کام عہد صحابہ کرامؓ میں بھی عبادت کی حیثیت سے جاری تھے تو ان کے لئے ایسے طریقے اختیار کرنا جو رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اختیار نہیں کئے آخر ان کا مقصد کیا ہے؟ کیا یہ مقصد ہے کہ ان عبادات کے یہ نئے طریقے معاذ اللہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو معلوم نہ تھے اور آج ان دعویداروں پر انکشاف ہوا ہے اس لئے یہ کر رہے ہیں؟

دین میں کوئی بدعت نکالنا رسول اللہ ﷺ پر خیانت کی تہمت لگانا ہے

اور اگر کہا جائے کہ ان کو معلوم تھا مگر انہوں نے لوگوں کو نہیں بتلایا تو کیا یہ معاذ اللہ ان حضرات پر دین میں خیانت اور تبلیغ رسالت کے فرائض میں کوتاہی کا الزام نہیں ہے؟ اسی لئے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے وہ گویا یہ دعوی کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ اللہ رسالت میں خیانت کی کہ پوری بات نہیں بتلائی۔

(سنت وبدعت ص ۱۵)

بدعت نکالنا یہ دعوی کرنا ہے کہ دین عہد رسالت میں مکمل نہیں ہوا تھا

ایک طرف تو قرآن کریم کا یہ اعلان ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم

”میں نے آج تم پر اپنا دین مکمل کر دیا“

دوسری طرف عبادات کے جدید طریقے نکال کر عملاً یہ دعوی کہ شریعت اسلام کی تکمیل آج ہو رہی ہے کیا کوئی مسلمان جان بوجھ کر اس کو قبول کر سکتا ہے؟

اس لئے یقین کیجئے کہ عبادات کا جو طریقہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اختیار نہیں کیا وہ دیکھنے میں کتنا ہی دلکش اور بہتر نظر آئے وہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اچھا نہیں اسی کو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ ”جو کام اس زمانہ میں دین نہیں تھا اسے آج بھی دین نہیں کہا جا سکتا ہے۔“

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے ان طریقوں کو معاذ اللہ نہ تو ناواقفیت کی بناء پر چھوڑا تھا نہ سستی یا غفلت کی بناء پر بلکہ ان کو غلط اور مضر سمجھ کر چھوڑا تھا۔

آج اگر کوئی شخص مغرب کی نماز تین کی بجائے چار رکعت اور صبح کی دو کے بجائے تین یا چار پڑھنے لگے یا روزہ مغرب تک رکھنے کے بجائے عشاء کے بعد تک رکھے تو ہر سمجھدار مسلمان اس کو برا اور غلط اور ناجائز کہے گا حالانکہ اس غریب نے بظاہر کوئی گناہ کا کام نہیں کیا کچھ تسبیحات زیادہ پڑھیں، کچھ اللہ کا نام زیادہ لیا، پھر اس کو بالاتفاق برا اور ناجائز سمجھا گیا صرف اسی لئے نہیں کہ اس نے آنحضرت ﷺ کے بتائے اور سکھائے ہوئے طریقہ عبادت پر زیادتی کر کے عبادت کی صورت بدل ڈالی اور ایک طرح سے اس کا دعوی کیا کہ شریعت کو آنحضرت ﷺ نے مکمل نہیں کیا تھا، اس نے کیا ہے، یا معاذ اللہ

آپ ﷺ نے اداء امانت میں کوتاہی اور خیانت برتی ہے کہ عبادات کے یہ جدید اور مفید طریقے لوگوں کو نہیں بتلائے۔

اب غور کیجئے کہ نماز کی رکعات تین کے بجائے چار پڑھنے میں اور نمازوں، دعاؤں اور درود و سلام کے ساتھ ایسی شرطیں اور طریقے اضافہ کرنے میں کیا فرق ہے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے منقول نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ عبادات میں اپنی طرف سے قیدوں شرطوں کا اضافہ شریعت محمدیہ ﷺ کی ترمیم اور تحریف ہے، اس لئے اس کو شدت کے ساتھ روکا گیا ہے۔

بدعت تحریف دین کا راستہ ہے

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر عبادات میں اپنی طرف سے قیدیں، شرطیں اور جدید طریقے ایجاد کرنے کی اجازت دے دی جائے تو دین کی تحریف ہو جائے گی، کچھ عرصہ کے بعد یہ بھی پتہ نہ لگے کہ اصل عبادت جو رسول کریم ﷺ نے بتلائی تھی کیا اور کیسی تھی، پچھلی امتوں میں تحریف دین کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنی کتاب اور اپنے پیغمبر کی بتلائی ہوئی عبادات میں اپنی طرف سے عبادات کے جدید طریقے نکال لئے اور ان کی رسم چل پڑی، کچھ عرصہ کے بعد اصل دین اور نو ایجاد رسموں میں کوئی امتیاز نہ رہا۔

خلاصہ کلام یہ کہ جو چیز اصطلاح شرع میں بدعت ہے وہ مطلقاً ممنوع و ناجائز ہے، البتہ بدعات میں پھر کچھ درجات ہیں بعض سخت حرام قریب شرک کے ہیں، بعض مکروہ تحریمی، بعض تنزیہی ہیں۔

(سنت و بدعت ص ۱۲ تا ۲۱)

قرآن و حدیث اور آثار صحابہؓ و تابعینؒ و ائمہ دین میں بدعات کی خرابی اور ان سے اجتناب کی تاکید پر بے شمار آیات، و روایات ہیں، ان میں سے بعض اس جگہ نقل کی جاتی ہیں۔

بدعت کی مذمت قرآن و حدیث میں

علامہ شاطبی نے "کتاب الاعتصام" میں آیات قرآنیہ کافی تعداد میں اس موضوع پر

جمع فرمائی ہیں، ان میں سے دو آیتیں اس جگہ لکھی جاتی ہیں۔

ولا تکونوا من المشرکین الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا کل حزب بما لدیھم فرحون۝

"مت ہو مشرکوں سے جنہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کیا اپنے دین کو اور ہو گئے فرقے اور گروہ ہر ایک گروہ اپنے طرز پر خوش ہے"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ اس سے مراد اہل بدعت کے گروہ ہیں۔

(اعتصام ص ۶۵ ج ۱)

قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالاً الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعاً۝

"آپ فرمایئے کہ کیا ہم تمہیں بتلائیں کہ کون لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں، وہ لوگ جن کی سعی و عمل دنیا کی زندگی میں ضائع و بے کار ہو گئی اور وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھا عمل کر رہے ہیں"

(سورۃ الکہف ۱۰۳ ۔ ۱۰۴)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سفیان ثوری وغیرہ نے "اخسرین اعمالا" کی تفسیر اہل بدعت سے کی ہے اور بلاشبہ اس آیت میں اہل بدعت کی حالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا گیا ہے وہ اپنے خود تراشیدہ اعمال کو نیکی سمجھ کر خوش ہیں کہ ہم ذخیرہ آخرت حاصل کر رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ان کے اعمال کا نہ کوئی وزن ہے نہ ثواب بلکہ الٹا گناہ ہے۔

(سنت و بدعت ص ۲۲)

روایات حدیث بدعت کی خرابی اور اس سے روکنے کے بارے میں بے شمار ہیں ان میں سے بھی چند روایات لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھورد۔

"جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی چیز داخل کرے جو دین میں داخل نہیں وہ مردود ہے" (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری)

۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے:

اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد ﷺ وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ۔ (اخرجہ مسلم وفی روایۃ للنسائی کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ فی النار)

"حمد و صلوٰۃ کے بعد سمجھو کہ بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ اور طرز عمل محمد ﷺ کا طرز عمل ہے اور بدترین چیز نئی ایجاد کی جانے والی بدعتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے اور نسائی کی روایت میں ہے کہ ہر نو ایجاد عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت جہنم میں لے جانے کا باعث ہے"

(اعتصام ص ۷۹)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہی خطبہ دیا کرتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے خطبہ میں الفاظ مذکورہ کے بعد یہ بھی فرماتے تھے:

انکم ستحدثون ویحدث لکم فکل محدثۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔

"تم بھی نئے نئے کام نکالو گے اور لوگ تمہارے لئے نئی نئی صورتیں عبادت کی نکالیں گے خوب سمجھ لو کہ ہر نیا طریقہ عبادت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانہ جہنم ہے"

(اعتصام ص ۷۶، ج ۱)

۳۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

من دعا الی الھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من یتبعہ لاینقص ذلک من اجورھم شیئا ومن دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل آثامھم من یتبعہ ولا ینقص ذلک من آثامھم شیئا۔

"جو شخص لوگوں کو صحیح طریق ہدایت کی طرف بلائے تو ان تمام لوگوں کے عمل کا ثواب اس کو ملے گا جو اس کا اتباع کریں بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ کمی کی

جائے اور جو شخص کسی گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو اس پر ان سب لوگوں کا گناہ لکھا جائے گا جو اس کی اتباع کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی کی جائے"

بدعات کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے والے اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والے اس کے انجام بد پر غور کریں کہ اس کا وبال تنہا اپنے عمل ہی کا نہیں بلکہ جتنے مسلمان اس سے متاثر ہوں گے ان سب کا وبال ان پر ہے۔

(سنت و بدعت)

۴۔ ابو داؤدؒ اور ترمذیؒ نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک روز ہمیں خطبہ دیا جس میں نہایت موثر اور بلیغ وعظ فرمایا جس سے آنکھیں بہنے لگیں اور دل ڈر گئے، بعض حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آج کا وعظ تو ایسا ہے جیسے رخصتی کی وصیت ہوتی ہے تو آپ ہمیں بتلائیں کہ ہم آئندہ کس طرح زندگی بسر کریں؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ لولاۃ الامر وان کان عبدا حبشیا فان من یعش منکم بعدی فیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔ (اعتصام)

"میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور حکام اسلام کی اطاعت کرنے کی، اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بڑا اختلاف دیکھیں گے اس لئے تم میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین جو ہدایت والے ہیں ان کی سنت کو اختیار کرو اور ان کو مضبوط پکڑو اور دین میں نو ایجاد (نئے ایجاد کئے جانے والے) طریقوں سے بچو کیونکہ ہر نو ایجاد طرز عبادت بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"

(اعتصام)

۵۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

"جو شخص کسی بدعتی کے پاس گیا اور اس کی تعظیم کی تو گویا اس نے اسلام کو

دکھانے میں اس کی مدد کی"

(سنت و بدعت بحوالہ اعتصام للشاطبی ص ۸۴ ج ۱)

۶۔ اور حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ،

"اگر تم چاہتے ہو کہ پل صراط پر تمہیں دیر نہ لگے اور سیدھے جنت میں جاؤ تو اللہ کے دین میں اپنی رائے سے کوئی نیا طریقہ نہ پیدا کرو"

(اعتصام)

۷۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ،

"مسلمانوں کے لئے جن چیزوں کا مجھے خطرہ ہے ان میں سب زیادہ خطرناک دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ جو چیز وہ دیکھیں اس کو اس پر ترجیح دینے لگیں جو ان کو سنت رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہے، دوسرے یہ کہ وہ غیر شعوری طور پر گمراہ ہو جائیں"

(سنت و بدعت ص ۳۶)

۸۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ،

"خدا کی قسم! آئندہ زمانہ میں بدعتیں اس طرح پھیل جائیں گی کہ اگر کوئی شخص اس بدعت کو ترک کرے گا تو لوگ کہیں گے کہ تم نے سنت چھوڑ دی۔

(اعتصام ص ۹۰ ج ۱)

۹۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ،

"اے لوگو! بدعت اختیار نہ کرو اور عبادات میں مبالغہ اور تعمق نہ کرو، پرانے طریقوں کو لازم پکڑے رہو، اس چیز کو اختیار کرو جو ازروئے سنت تم جانتے ہو اور جس کو اس طرح نہیں جانتے اس کو چھوڑ دو"

۱۰۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ،

"بدعت والا آدمی جتنا زیادہ روزہ اور نماز میں محنت کرتا جاتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے، نیز یہ بھی فرمایا کہ "صاحب بدعت کے پاس نہ بیٹھو کہ وہ تمہارے دل کو بیمار کر دے گا"

(سنت و بدعت ص ۲۷)

۱۱۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ،

"کوئی قول بغیر عمل کے مستقیم نہیں اور کوئی قول و عمل بغیر نیت کے مستقیم نہیں

اور کوئی قول و عمل اور نیت اس وقت تک مستقیم نہیں جب تک کہ وہ سنت کے مطابق نہ ہو"

(سنت و بدعت ص ۲۷)

۱۲۔ ابو عمرو شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ،

"صاحب بدعت کو توبہ نصیب نہیں ہوتی (کیونکہ وہ تو اپنے گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتا، توبہ کس سے کرے؟) (سنت و بدعت ص ۲۷)

بدعات کے متعلق ان اصولی گذارشات کے بعد اب ہم ان کوتاہیوں، غلط رسموں اور بدعتوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو بیماری، موت، میت اور پسماندگان کے متعلق آج کل زیادہ رائج ہو گئی ہیں اور سہولت کے لئے ان کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) موت سے پہلے کی رسمیں اور کوتاہیاں

(۲) عین وقت موت کی رسمیں

(۳) موت کے بعد کی رسمیں

اور امید کرتے ہیں کہ قارئین خود بھی ان سے اجتناب فرمائیں گے اور دوسروں کو بھی حکمت اور نرمی کے ساتھ روکنے کی کوشش کریں گے۔

موت سے پہلے کی رسمیں اور کوتاہیاں

مرنے سے پہلے جس بیماری میں مرنے والا مبتلا ہوتا ہے اس میں میت اور اہل میت طرح طرح کی کوتاہیاں کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

نماز کی پابندی نہ کرنا

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ بعض مریض نماز کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ ممکن ہے یہ زندگی کا آخری مرض ہو، کیونکہ ہر بیماری موت کی یاد دہانی کراتی ہے۔ صحت میں فکر نہ کی تو اب بھی غافل رہنا اور اہتمام نہ کرنا بڑے ہی اندیشہ اور خطرہ کی بات ہے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۶)

بعض مریض زمانہ تندرستی میں تو نماز کے پابند ہوتے ہیں، مگر بیماری میں نماز کا خیال نہیں رکھتے اور خیال نہ رکھنے کی عمومی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بیماری یا وسوسہ کی بناء پر کپڑے یا بدن ناپاک اور گندے ہیں یا وضو اور غسل نہیں کر سکتے اور تیمم کو دل گوارا نہیں کرتا کہ

اس سے طبیعت صاف نہیں ہوتی، اس لئے نماز قضا کر دیتے ہیں، یہ سخت جہالت اور نادانی کی بات ہے، ایسے مواقع پر اہل علم سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرنا چاہئے اور شریعت کی عطا کردہ سہولتوں پر عمل کرنا چاہئے، ان وجوہات کی بناء پر نماز قضا کرنا جائز نہیں۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۲ ج ۱)

بعض مریض ڈاکٹر اور طبیب کے منع کر دینے کا عذر کرتے ہیں اور نماز پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ جب تک اشارہ سے نماز پڑھنے پر قدرت ہو اشارے سے نماز ادا کرنا لازم ہے ہاں جب اشارہ پر بھی قدرت نہ رہے تو بے شک نماز موخر کرنا اور بعد میں قضا کر لینا درست ہے۔ بیماری پیام موت ہے اس سے انسان کو اور زیادہ ہوشیار اور فکر آخرت کی طرف زیادہ متوجہ ہونا چاہئے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۶ ج ۱)

بعض مریض نماز کے پورے پابند ہوتے ہیں، مگر بیماری کے غلبہ سے یا نماز کے وقت نیند کے غلبہ سے یا بہت زیادہ ضعف و نقاہت سے آنکھیں بند ہو کر غفلت سی ہو جاتی ہے اور نماز کے اوقات وغیرہ کی پوری طرح خبر نہیں ہوتی، یہاں تک کہ نماز قضا ہو جاتی ہے حالانکہ اگر انہیں نماز کی اطلاع کی جائے تو ہرگز کوتاہی نہ کریں، لیکن اوپر کے لوگ خدمت کرنے والے مریض کی راحت کا خیال کر کے نماز کی اطلاع نہیں کرتے اور اگر بیمار کو کسی طرح اطلاع بھی ہو جائے تو الٹا منع کر دیتے ہیں یا اس کی امداد نہیں کرتے مثلاً وضو، تیمم، کپڑوں کی تبدیلی، قبلہ رخ کرنا وغیرہ کچھ نہیں کرتے جس سے خود بھی گنہگار ہوتے ہیں، ایسا کرنا نہ مریض کے ساتھ خیر خواہی ہے نہ اپنے ساتھ۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۶ ج ۱)

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب مریض ہوش میں نہیں ہے تو نماز معاف ہے، یہ بھی درست نہیں کیونکہ ہر بے ہوشی میں نماز معاف نہیں ہوتی، جس میں نماز معاف ہوتی ہے وہ وہ بے ہوشی ہے جس میں خبردار کرنے سے بھی آگاہ نہ ہو اور مسلسل چھ نمازیں بے ہوشی میں گذر جائیں، ایسی شکل میں نماز بالکل معاف ہے، قضا بھی واجب نہیں اور اگر اس سے کم بے ہوشی ہو مثلاً چار یا پانچ نمازیں اس حالت میں گذر جائیں تو اس وقت تو مریض بے ہوشی کی بناء پر نمازیں ادا کرنے کا مکلف نہیں، البتہ ہوش آنے پر

ان کی قضا واجب ہے اور اگر قضا میں سستی کی تو مرنے سے پہلے ان نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۷ ج ۱)

نماز کے فرائض و واجبات میں کوتاہی

بعض مریض یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وضو کچھ مضر نہیں پھر بھی تیمم کر لیتے ہیں، بعض مرتبہ خدمت گذار یا دوسرے خیر خواہ وضو سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جناب شرع میں آسانی ہے تیمم کر لو، یہ سخت نادانی ہے، جب تک وضو کرنا مضر نہ ہو تیمم کرنا جائز نہیں۔

(اصلاح انقلاب امت ج ۱ ص ۲۲۷)

بعض بیمار کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی قدرت رکھتے ہیں مگر پھر بھی وہ بیٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں حالانکہ جب تک کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی قدرت ہو بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں لہذا بڑی احتیاط سے نماز کو پورا کرنا چاہیئے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۷ ج ۱)

بعض مریض نماز میں باوجود اس کے کہ کراہنے کو ضبط کر سکتے ہیں لیکن "آہ، آہ" خوب صاف لفظوں سے کہتے ہیں اور اس کی بالکل پروا نہیں کرتے کہ نماز رہے گی یا جائے گی، یاد رکھنا چاہیئے کہ قدرت ضبط ہوتے ہوئے نماز میں "ہائے، ہائے" یا "آہ، آہ" "اوئی" وغیرہ کرنے سے نماز جاتی رہتی ہے۔ نماز بڑی احتیاط کی چیز ہے، خیال سے ادا کرنی چاہیئے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۷ ج ۱)

عذر شرعی کے باوجود تیمم نہ کرنا

بعض مریض یہ بے احتیاطی کرتے ہیں کہ خواہ ان پر کیسی ہی مصیبت گذرے، خواہ کیسا ہی مرض بڑھ جائے جان نکل جائے مگر جانتے ہی نہیں، مرجائیں گے مگر وضو ہی کریں گے، یہ بھی غلو (انتہا پسندی) اور درپردہ حق تعالیٰ شانہ کی عطا کردہ سہولت کو قبول نہ کرنا ہے جو سخت گستاخی اور بے ادبی ہے جس طرح وضو حق تعالیٰ کا حکم ہے بالکل اسی طرح تیمم بھی انہی کا حکم ہے، بندہ کا کام حکم ماننا ہے نہ کہ دل کی چاہت اور صفائی کو دیکھنا، بندگی تو اسی کا نام ہے کہ جس وقت جو حکم ہو جان و دل سے اطاعت کرے۔

(حوالہ بالا)

بلا ضرورت مریض کا ستر دیکھنا

ایک کوتاہی عام طور پر یہ ہو رہی ہے کہ بیمار کا ستر (وہ اعضاء جن کو چھپانا شرعاً واجب ہے) چھپانے کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا، زانو کھل گیا تو کوئی پروا نہیں، ران کھل گئی تو کچھ خیال نہیں، مریض اگر تکلیف کی شدت سے اس کا خیال نہ رکھ سکے تو اوپر والوں کو اس کا پورا خیال رکھنا لازمی ہے۔ بلا ضرورت اس کا ستر دیکھنا جائز نہیں۔

(اصلاح انقلاب امت ج ۱ ص ۲۲۸)

ایک کوتاہی اکثر یہ ہوتی ہے کہ مریض کو مثلاً انجکشن لگوانے یا آپریشن یا مرہم پٹی کروانے یا معالج کو مرض کی جگہ دکھلانے کی ضرورت پیش آئے تو اس کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ جتنا بدن کھولنے کی ضرورت ہے صرف اتنا ہی کھلے اور صرف ان لوگوں کے سامنے کھلے جن کا تعلق علاج معالجہ سے ہے، بے دھڑک معالج اور غیر معالج سب کے سامنے بدن کھول دیا جاتا ہے حالانکہ غیر متعلقہ حضرات کو مریض کے ستر کا حصہ دیکھنا جائز نہیں، اس میں بہت ہی زیادہ غفلت ہے، اس کا بہت خیال رکھیں۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۸ ج ۱)

مریض مرد ہو یا عورت، معالج کو بقدر ضرورت ان کا دیکھنا جائز ہے لیکن دوسرے حاضرین کو ان کے ستر کا حصہ دیکھنا جائز نہیں وہاں سے ہٹ جانا یا آنکھیں بند کر لینا یا منہ پھیر لینا واجب ہے۔

(حوالہ بالا)

ناپاک اور حرام دوا استعمال کرنا

ایک کوتاہی یہ عام ہو رہی ہے کہ بیمار کے علاج معالجہ میں پاک و ناپاک اور و حرام دوا کا کچھ خیال ہی نہیں کیا جاتا۔ بلا تحقیق اور بلا شدید ضرورت کے حرام و نجس دوائیں پلا دی جاتی ہیں۔

(اصلاح انقلاب امت ۲۲۹ ج ۱)

دعا کی طرف توجہ نہ دینا

ایک کوتاہی یہ ہے کہ مریض کی دوا دارو، علاج معالجہ اور دیگر تمام تدابیر اختیار کی جاتی ہیں، پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے، لیکن دعا کا اہتمام نہیں کرتے، بلکہ اس کا خیال تک

نہیں آتا، حالانکہ یہ دعاء منصوص عظیم ترین تدبیر ہے، اور اس کی توفیق نہ ہونا سخت محرومی کی بات ہے۔ مریض کو اگر ہو سکے تو خود دعا کرنی چاہئے، کیونکہ حالت مرض میں دعا قبول ہوتی ہے، (ورنہ اوپر والوں کو اور اعزاء و اقارب کو) پوری توجہ اور دھیان سے دعا کرنا چاہئے، گھر کے ایک فرد کا بیمار ہونا اور تمام اہل خانہ کا پریشان ہونا خود حق تعالیٰ کی طرف توجہ دلا رہا ہے اور ایمان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اپنے خالق و مالک کی طرف توجہ کی جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے اور صحت و عافیت کی دعا کی جائے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۳۰ ج ۱)

دعا کا غلط طریقہ

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ دعا میں شرعی حدود کو ملحوظ نہیں رکھتے شکایت کے انداز میں دعا کرنے لگتے ہیں، مثلاً یوں دعا کرتے ہیں،

"اے اللہ کیا ہو گا؟ بس میں تو بالکل ہی تباہ ہو جاؤں گا یا تباہ ہو جاؤں گی، یہ بچے کس پر ڈالوں گی، میرے بعد ان کا کون ہو گا، خدایا ایسا نہ کیجئے، بس جی میرا تو کہیں بھی ٹھکانہ ہی نہ رہے گا وغیرہ"

گویا شکایت الگ کی جاتی ہے اور مشورہ الگ دیا جاتا ہے، استغفر اللہ! کیا حق تعالیٰ کا یہی ادب ہے کیا اسی کا نام عظمت ہے؟ دعا ہمیشہ ایک عاجز غلام کی طرح کرنی چاہئے اس کے بعد خدائے پاک جو فیصلہ فرمائیں، اسی پر راضی رہنا واجب ہے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۳۱)

صدقہ کے متعلق کوتاہیاں

مریض یا اس کے متعلقین صدقہ کرنے میں ایک غلطی یہ کرتے ہیں کہ کسی بزرگ مرحوم کے نام کا کھانا پکوا کر تقسیم کرتے ہیں یا کھلاتے ہیں اور اس میں ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ وہ بزرگ خوش ہو کر کچھ سہارا لگا دیں گے، یہ عقیدہ شرک ہے، بعض لوگ بجائے مدد کے ان کی دعا کا یقین رکھتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ ان کی دعا رد نہیں ہو سکتی، ایسا اعتقاد بھی خلاف شرع ہے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۳۱ ج ۱)

بعض لوگ صدقہ میں جان کا بدلہ جان ضروری سمجھتے ہیں، اور بکرے وغیرہ کو تمام

رات مریض کے پاس رکھ کر اور بعض لوگ مریض کا ہاتھ لگوا کر خیرات کرتے ہیں یا مریض کے پاس بکرے کو ذبح کرتے ہیں اور اس کے بعد خیرات کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مریض کا بکرے پر ہاتھ لگنے سے تمام بلائیں گویا اس کی طرف منتقل ہو گئیں، پھر خیرات کرنے سے وہ بھی چلی جاتی ہیں اور جان کے بدلے جان دے دینے سے مریض کی جان بچ جائے گی، یاد رکھئے ایسا اعتقاد خلاف شرع ہے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۱ ج ۱)

بعض لوگ کھانا، گندم، آٹا اور روپیہ پیسہ مریض کے پاس رکھ دیتے ہیں اور مریض کے چاروں طرف تین یا پانچ یا سات مرتبہ گھما کر اور مریض کا ہاتھ لگوا کر خیرات کرتے ہیں، اس میں بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے مریض کی بیماری اور بلائیں اس شئی میں منتقل ہو کر خیرات کرنے سے سب چلی جاتی ہیں، یہ اعتقاد بھی خلاف شرع ہے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۱ ج ۱)

بعض لوگوں نے صدقہ کے لئے خاص خاص چیزیں مقرر کر رکھی ہیں جیسے کہ ماش، تیل اور پیسے جن میں امر مشترک سیاہ رنگ کی چیز معلوم ہوتی ہے، گویا بلا کو کالی سمجھ کر اس کو دور کرنے کے لئے بھی کالی چیزیں منتخب کی گئی ہیں یہ سب من گھڑت باتیں ہیں اور خلاف شرع ہیں، شرعاً مطلق صدقہ دافع بلا ہے، کوئی خاص شئی یا خاص رنگ بالکل طے نہیں ہے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۲ ج ۱)

بعض لوگ صدقہ میں گوشت وغیرہ چیلوں کو دینا ضروری خیال کرتے ہیں، یہ غلط ہے شرع نے صدقہ کا مصرف مقرر کر دیا ہے، چنانچہ مسلمان مسکین اس کا بہترین مصرف ہیں، چیلیں اس کا مصرف نہیں۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۲ ج ۱)

وصیت خلاف شرع کرنا

بعض مرتبہ مریض اپنے بعد کے لئے خلاف شرع وصیت کرتا ہے لیکن دوسرے اس کو بالکل تنبیہ نہیں کرتے کہ جس سے اس کی اصلاح ہو جائے اور ناجائز وصیت سے باز رہے،

یا پھر جائز وصیت کرے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۳ ج ۱)

بعض دفعہ دوسرے لوگ مریض کو خلاف شرع وصیتوں کی رائے اور ترغیب دیتے ہیں مثلاً اپنے تہائی سے زیادہ مال کی وصیت یا کسی وارث کے حق میں وصیت یا کسی جائز وارث کے محروم کرنے کی وصیت یا تیجہ، دسواں، چالیسواں کرنے یا قبر میں عہد نامہ رکھنے کی وصیت وغیرہ، یہ سب شرع کے خلاف ہیں، ان کی ترغیب دینا بھی جائز نہیں بلکہ اگر مریض خود ہی ان کی وصیت کرنے لگے تو دوسروں کو اسے منع کر دینا چاہئے اور اس کی اصلاح کر دینی چاہئے، بالفرض مریض ایسی وصیتوں سے باز نہ آئے تو ایسی خلاف شرع وصیت لازم نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض پر تو عمل جائز بھی نہیں۔ تفصیل پچھلے باب میں وصیت کے بیان میں آچکی ہے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۳ ج ۱)

عین وقت موت کی رسمیں

روح نکلنے سے پہلے جو حالت انسان پر طاری ہوتی ہے اس میں انسان کو سخت تکلیف ہوتی ہے، اس حالت کو "عالم نزع" اور "جاں کنی کا عالم" کہتے ہیں، اس حالت کی پہچان یہ ہے کہ سانس اکھڑ جاتا ہے اور جلدی جلدی چلنے لگتا ہے، ٹانگیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں، کھڑی نہیں ہو سکتیں، ناک ٹیڑھی ہو جاتی ہے اور کنپٹیاں بیٹھ جاتی ہیں۔

ٹھیک یہی یا اس ملتے جلتے آثار جب دکھلائی دیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ وقت "نزع" کا ہے، اللہ پاک سب پر آسان فرمائے۔ آمین

اس وقت بھی طرح طرح کی کوتاہیاں اور غلطیاں کی جاتی ہیں خاص طور پر عورتیں ان میں زیادہ مبتلا ہوتی ہیں، اب ان باتوں کو لکھا جاتا ہے۔ توجہ سے پڑھیں اور ان کا ارتکاب نہ ہونے دیں۔

رونا پیٹنا اور گریبان پھاڑنا

عام طور پر ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ میت کی جان کنی کے وقت بجائے اس کے کلمہ پڑھیں، سورہ یٰسین پڑھیں، میت کی سہولت نزع اور خاتمہ بالخیر کی دعا کریں، عورتیں رونا

پیشنا پھیلاتی ہیں، مریض کو اگر کچھ ہوش ہو تو وہ پریشان ہوتا ہے، جس میں طرح طرح کی خرابیاں ہیں، پھر اس غریب کو نزع کی تکلیف ہی کیا کم ہے، مزید یہ تکلیف دیتی ہیں یاد رکھئے بلند آواز سے رونا چلانا، ماتم کرنا اور گریبان پھاڑنا سب حرام اور گناہ ہے البتہ رونا آئے تو چیخے چلائے بغیر صرف آنسوؤں سے رونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۳ ج ۱)

بیوی بچوں کو سامنے کرنا

ایک نامعقول حرکت یہ کی جاتی ہے کہ بعض عورتیں مرنے والے کی بیوی کو اس کے سامنے کھڑا کر دیتی ہیں، یا بیوی خود ہی سامنے آجاتی ہے اور پھر مریض سے پوچھتے ہیں کہ اسے کو یا مجھ کو کس پر چھوڑے جاتے ہو؟ اور اس غریب کو جواب دینے پر مجبور کرتی ہیں، بڑے ہی افسوس کی بات ہے، اس کو یہ وقت خالق کی طرف متوجہ ہونے کا ہے، مگر یہ نالائق اس کو اب بھی مخلوق کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، جو اس غریب پر سراسر زیادتی ہے ہونا تو یہ چاہئے کہ اگر وہ خود بھی بلا ضرورت شرعیہ (مثل وصیت وغیرہ) کے اس عالم کی طرف متوجہ ہو تو اس کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف پھیر دی جائے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۳ ج ۱)

بعض اوقات مریض کے بچوں کو اس کے سامنے لاتی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ ان کا کون ہوگا؟! انہیں پیار کر لو، ان کے سر پر ہاتھ تو رکھ دو، جس سے وہ غریب اور پریشان ہو جاتا ہے، اور آخری وقت میں مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کا نقصان الگ ہوتا ہے، دوسری طرف بچے کس قدر شکستہ دل ہوتے ہیں اور ناامید ہوتے ہیں، یہ وقت تو ایسا ہے کہ اگر وہ خود بھی بچوں کو یاد کرے تو اس کو حق تعالیٰ کی طرف توجہ رکھنے کی تلقین کی جائے۔

اور اگر وہ بہت ہی یاد کرے تو سرسری طور پر سامنے کر دیں تاکہ اس کا دل ان میں اٹکا نہ رہے لیکن اگر وہ خود یاد نہ کرے تو ہرگز اس کو یاد نہ دلائیں اسی طرح بعض مرد بھی جو زنانہ مزاج رکھتے ہیں وہ بھی یہی مذکورہ بالا ناشائستہ حرکات کرتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ جانکنی کے وقت میت کے پاس دیندار اور سمجھدار لوگ ہوں، گھر کی عورتیں اتفاق سے ایسی سمجھدار اور دیندار ہوں تو ان کے رہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، جو لوگ بھی ہوں ان تمام امور کی احتیاط رکھیں۔ (اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۳ ج ۱)

بدفالی سے یٰسین نہ پڑھنا اور میت سے دور رہنا

بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ بدفالی کے خیال سے یا دین کی عظمت دل میں نہ ہونے سے نہ اس وقت سورہ یٰسین پڑھتے ہیں اور نہ اس کا پڑھنا گوارا کرتے ہیں اور نہ کلمہ کا اہتمام کرتے ہیں، نہ میت کو کلمہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں، جبکہ اس کو ہوش ہو اور نہ خود ہی اس میں مشغول ہوتے ہیں، بلکہ فضول باتوں اور ان کاموں میں لگ جاتے ہیں جن کی ضرورت بعد میں ہوگی، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں، ان سے بچنا لازم ہے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۵ ج ۱)

بعض جگہ میت کے ورثاء اس کے مال و دولت روپیہ پیسے اور دیگر ساز و سامان پر قبضہ کرنے کی فکر میں بھاگتے پھرتے ہیں، مریض کے پاس کوئی نہیں رہتا اور وہ تنہا ہی ختم ہو جاتا ہے، بڑی ہی نادانی اور ظلم کی بات ہے اور پھر مرنے والے کے مال پر اس طرح قبضہ کرنا کہ جس کے قبضہ میں جو آجائے وہ اس کا مالک بن بیٹھے، جائز نہیں، مرحوم کے تمام ترکہ کو شرع کے مطابق تقسیم کرنا فرض ہے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۳۲۵ ج ۱)

بعض لوگ مریض کے پاس اس بناء پر نہیں بیٹھتے کہ انہیں بیماری لگ جانے کا خوف رہتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی بیماری کسی کو نہیں لگ سکتی، اگر کہیں لگ گئی ہو تو وہ بھی خالق کی حکمت و مشیت سے ہے بغیر ان کی مشیت کے کچھ نہیں ہوتا، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اکثر جگہ کچھ بھی نہیں ہوتا اس لئے ایسا کرنا بڑی سنگدلی کی بات ہے ہرگز وہم نہ کریں، مریض کو تنہا نہ چھوڑیں اور اس کی دل شکنی نہ کریں۔

(اصلاح انقلاب امت ۲۲۵ ج ۱)

کلمہ کی تلقین میں حد سے تجاوز کرنا

بعض لوگ مرنے والے کو کلمہ پڑھوانے میں اس قدر سختی کرتے ہیں کہ اس کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں، وہ ذرا غافل ہوا، خاموش ہوا فوراً توبہ استغفار اور کلمہ کا تقاضا شروع کر دیتے ہیں اور برابر اس کے سر رہتے ہیں وہ بےچارہ تنگ آکر تکلیف جھیل کر کسی طرح پڑھ لے تو اس پر بھی کفایت نہیں کرتے، یہ چاہتے ہیں کہ برابر پڑھتا ہی رہے دم نہ لے، یہ سراسر جہالت کی بات ہے خدا بچائے۔ (اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۶ ج ۱)

مرنے والے کو کلمہ طیبہ کی تلقین کا طریقہ اسی کتاب کے باب دوم میں آچکا ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے بعض لوگ اس سے بڑھ کر یہ زیادتی کرتے ہیں کہ مرنے والے سے آخر تک باتیں کرانا چاہتے ہیں، ذرا ہوش میں آیا اس کو پکارتے ہیں میاں فلانے ذرا آنکھ تو کھولو مجھ کو دیکھو میں کون ہوں؟ تم کیسے ہو؟ کچھ کہو گے؟ کس بات کو دل چاہتا ہے؟ اس طرح کے خرافات اور لغویات میں اس کو تنگ کرتے ہیں جو کسی طرح درست نہیں، البتہ شرعاً کسی بات کو دریافت کرنا ضروری ہو مثلاً کسی کی امانت کو پوچھا جانے جس کا حال کسی اور سے معلوم نہیں ہو سکتا یا اسی قسم کا کوئی اور حق واجب ہو تو اسے دریافت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ ضروری ہے، بشرطیکہ مریض کو بتلانے میں ناقابل برداشت تکلیف نہ ہو۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۳۶ ج ۱)

بعض جاہل لوگ اس بیچارے کو قبلہ رخ کرنے میں یہ کرتے ہیں کہ اس کا تمام بدن اور منہ پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں، اگر وہ نزع کے عالم میں بدن یا گردن کو حرکت دے جو غیر اختیاری طور پر ہوتی ہے تو پھر مروڑ تروڑ کر رخ بدل دیتے ہیں، یہ بھی غلط اور جہالت کی بات ہے، یاد رکھو قبلہ رخ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب مریض پر شاق نہ ہو یا جب وہ بالکل بے حس و حرکت ہو جائے اس وقت قبلہ رخ کر دیا جائے، نہ یہ کہ زبردستی کر کے اس کو تکلیف پہنچائیں۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۳۷ ج ۱)

نزع میں نامحرم مرد کو دیکھنا

ایک بے احتیاطی یہ ہوتی ہے کہ نزع کی حالت میں نامحرم عورتیں بھی اس کے سامنے آکھڑی ہوتی ہیں اور اس وقت پردہ کو ضروری نہیں سمجھتیں، یہ بڑی جہالت کی بات ہے، کیونکہ اگر اس کو اتنا ہوش ہے کہ وہ دیکھتا اور سمجھتا ہے تب تو اس کے سامنے آنا اور دیکھنا جائز نہیں اور اگر اتنا ہوش نہیں ہے تو بہت سے بہت مریض نے نہ دیکھا مگر ان عورتوں نے تو بلا ضرورت نامحرم مرد کو دیکھا اور حدیث میں اس کی بھی ممانعت آئی ہے، اس لئے نامحرم عورتیں ہرگز مریض کے سامنے نہ آئیں، اسی طرح بعضے مرد بھی ایسی حالت میں نامحرم عورت کے سامنے چلے جاتے ہیں اور دیکھنے لگتے ہیں، سو ان کے لئے

بھی ایسا کرنا جائز نہیں۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۳۷ ج ۱)

نزع کی حالت میں عورت کے مہندی لگانا

بعض جگہ یہ قبیح رسم ہوتی ہے کہ جب کسی عورت کے انتقال کا وقت قریب ہوتا ہے تو دوسری عورتیں اس کے ہاتھوں پر مہندی لگاتی ہیں اور اس کو مسنون سمجھتی ہیں، واضح رہے کہ یہ مسنون نہیں بلکہ ناجائز ہے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند مکمل مدلل ص ۴۴۵ ج ۵)

موت کے وقت مہر معاف کرانا

ایک کوتاہی جو بہت ہی عام ہے یہ ہے کہ جب کوئی عورت مرنے لگتی ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ مہر معاف کر دے، وہ معاف کر دیتی ہے اور خاوند اس معافی کو کافی سمجھ کر اپنے آپ کو دین مہر سے سبکدوش سمجھتا ہے اور کوئی وارث مانگے بھی تو نہیں دیتا، یاد رکھئے اول تو اس وقت اس طرح معاف کرانا بڑی سنگدلی کی بات ہے، دوسرے اگر وہ پوری طرح ہوش میں ہو اور خوش دلی سے معاف بھی کر دے تو مہر معاف نہ ہوگا، کیونکہ پچھلے باب میں مرض الموت کے مسائل سے معلوم ہو چکا ہے کہ مرض الموت میں معافی بحکم وصیت ہے اور وصیت شوہر کے لئے نہیں کی جا سکتی، کیونکہ وارث کے حق میں وصیت باطل ہے، البتہ اگر عورت کے دوسرے وارث جو عاقل بالغ ہوں وہ اپنا اپنا حصۂ میراث اس مہر میں سے بخوشی چھوڑنا چاہیں تو چھوڑ سکتے ہیں، لیکن جو وارث مجنون یا نابالغ ہو اس کا حصہ اس کی اجازت سے بھی معاف نہ ہوگا۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۳۸ ج ۱)

ایک کوتاہی بعض لوگوں میں یہ ہوتی ہے کہ جس کا انتقال ہونے لگے اگر اس نے مہر نہ ادا کیا ہو تو اس کی بیوی کو مجبور کرتے ہیں کہ اپنا مہر معاف کر دے، حالانکہ بیوی اس پر بالکل راضی نہیں ہوتی مگر لوگوں کے اصرار یا رسم سے مجبور ہو کر شرما شرمی میں معاف کر دیتی ہے یاد رکھئے! اس طرح مہر معاف کرانا جائز نہیں، بڑا ظلم ہے۔

موت کے بعد کی رسمیں

اظہارِ غم میں گناہوں کا ارتکاب

بہت سی جگہ رونے پیٹنے میں عورتیں بے پردہ ہو جاتی ہیں اور پردہ کا مطلق خیال نہیں رکھتیں۔

بعض جگہ اس سے بڑھ کر یہ غضب ہوتا ہے کہ نوحہ کرنے والوں اور والیوں کی تصویریں کھینچی جاتی ہیں، اور اخبارات میں شائع کی جاتی ہیں، یہ بھی حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

بعض جگہ عورتیں فرطِ غم سے اپنے نامحرم عزیزوں مثلاً دیور، چچا زاد، تایا زاد اور خالہ زاد بھائی سے لپٹ لپٹ کر روتی ہیں، یہ بھی حرام ہے کیونکہ رنج و غم میں شریعت کے احکام ختم نہیں ہو جاتے۔

بعض جگہ اوپر کی عورتیں دیدہ و دانستہ ایسی ایسی باتیں کرتی ہیں جس سے رونا آئے، اور بعض عورتیں بن بن کر اور جان بوجھ کر روتی ہیں، یہ سب غلط ہے اور منع ہے۔

(اصلاح الرسوم)

بعض جگہ گھر کی اور باہر کی عورتیں میت کے گھر سے نکلتے وقت نوحہ کرتی ہوئی گھر کے باہر تک آجاتی ہیں اور تمام غیر مردوں کے سامنے بے حجاب ہو جاتی ہیں، یہ سب ناجائز و حرام ہے۔

پوسٹ مارٹم

آج کل حادثات میں ہلاک یا قتل ہونے والوں کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے اور جسم کو چیر پھاڑ کر اندرونی حصے دیکھے جاتے ہیں، ان میں بیشتر صورتیں ایسی ہوتی ہیں جہاں پوسٹ مارٹم شرعی ضرورت کے بغیر کیا جاتا ہے، جو جائز نہیں اور اگر کہیں شرعی ضرورت ہو یعنی کسی دوسرے زندہ شخص کی جان بچانے یا کسی کا مال ضائع ہونے سے بچانے کے لئے پوسٹ مارٹم ناگزیر ہو تو اس میں بھی شرعی احکام مثلاً ستر اور احترامِ میت وغیرہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اور فارغ ہونے کے بعد اس کے تمام اعضاء کو دفن کر دینا ضروری ہے۔

(امداد الفتاوی ص ٥٠٨ ج ١ و کفایت المفتی ص ١٨٨ ج ٣)

تجہیز و تکفین اور تدفین میں تاخیر کرنا

بعض جگہ میت کے مال و دولت کی جانچ پڑتال یا تقسیم ترکہ کے انتظام و اہتمام یا دوستوں اور رشتوں داروں کے انتظار یا نمازیوں کی کثرت یا ایسی ہی اور کسی غرض سے میت کی تدفین میں دیر کرتے ہیں حتی کہ بعض جگہ کامل دو دن تک میت کو پڑا رکھتے ہیں، یہ سب ناجائز و منع ہے۔

(ذیل الخیرات)

بعض جگہ یہ رسم ہے کہ میت کی تجہیز و تکفین سے پہلے گٹھلیوں پر ایک لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھوانا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کی تکمیل کے واسطے دوسروں کو بلاوے دیئے جاتے ہیں اور انہیں خواہی نخواہی آنا پڑتا ہے اور جو شخص نہ آئے یا نہ آسکے تو وہ شرکتِ نماز جنازہ میں بھی ندامت کے باعث شرکت نہیں کرتا، اس میں بھی متعدد خرابیاں ہیں، اور تجہیز و تکفین میں بھی تاخیر ہوتی ہے اس لئے یہ رسم بھی واجب الترک ہے۔

(امداد الاحکام ص ١٩٣ ج ١)

میت کو سلا ہوا پاجامہ اور ٹوپی پہنانا

بعض جگہ میت کو کفنانے کے وقت مرد ہو یا عورت پاجامہ اور ٹوپی پہناتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔

(فتاوی دار العلوم مکمل مدلل ص ٢٧١ ج ٥)

میت کے کفن سے بچا کر امام کا مصلی بنانا

ایک عام رسم یہ بھی ہے کہ میت کے کفن سے کوئی گز بھر کپڑا بچا لیتے ہیں یا زائد خرید لیتے ہیں، جو نماز جنازہ کے بعد امام کا حق سمجھا جاتا ہے۔ بعض جگہ اوپر کی چادر بھی امام کو دے دی جاتی ہے۔ سو یہ مصلی اور چادر بنانا ہی غلط ہے، کفن کے مصارف سے اس کا کچھ تعلق نہیں، امام کا ان میں کوئی حق نہیں، اور مشترکہ ترکہ سے اس کا صدقہ میں دینا بھی جائز نہیں۔

(احسن الفتاوی ص ٢٧٩ ج ١ بزیادۃ)

میت کے سینہ اور کفن پر کلمہ لکھنا اور شجرہ وعدہ نامہ رکھنا

بعض جگہ میت کے سینے یا پیشانی پر یا کفن پر کلمہ طیبہ کلمہ شہادت آیت الکرسی اور دیگر آیات اور دعائیں روشنائی وغیرہ سے لکھی جاتی ہیں اس طرح لکھنا جائز نہیں کیونکہ میت کے پھٹنے سے بے حرمتی ہوگی۔ البتہ بغیر روشنائی وغیرہ کے صرف انگلی کے اشارہ سے کچھ لکھ دیا جائے کہ لکھنے کے نشان ظاہر نہ ہوں تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ ان کو بھی مسنون یا مستحب یا ضروری نہ سمجھیں ورنہ یہ بھی بدعت اور واجب الترک ہوگا۔ (احسن الفتاوی ج ۱ ص ۳۵۱)

بعض لوگ میت کے سینہ پر عہد نامہ یا شجرہ یا سورہ یسین وغیرہ رکھ دیتے ہیں یا پتھر پر لکھ کر اس کے ساتھ قبر میں رکھ دیتے ہیں۔ میت کے گلنے سڑنے سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے لہذا اس کو بھی ترک کرنا چاہئے البتہ جس چیز کا ادب شریعت میں اس درجہ کا نہیں اس کا قبر میں رکھ دینا درست ہے، جیسے کسی بزرگ کا کپڑا وغیرہ۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۲۲۱ ج ۱)

میت کو کفن میں عمامہ دینا

بعض جگہ علماء اور سرداروں وغیرہ کی میت کو کفن کے تین کپڑوں کے علاوہ ایک عدد عمامہ بھی دیتے ہیں، سو یہ عمامہ دینا مکروہ ہے خود سرکار دو عالم ﷺ کو تین یمنی چادروں میں کفنایا گیا تھا، جس میں عمامہ نہیں تھا، احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

(امداد الفتاوی ص ۵۱۰ ج افتاوی دار العلوم دیوبند مدلل ص ۲۵۹ ج ۵)

میت کے سرمہ لگانا اور کنگھی کرنا

بعض لوگ میت کی آنکھوں میں سرمہ اور کاجل لگاتے ہیں اور ڈاڑھی کے بالوں میں کنگھی بھی کرتے ہیں، بعض لوگ ناخن اور بال کتروا دیتے ہیں یہ سب ناجائز ہے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند مکمل مدلل ص ۲۴۸ ج ۵)

کفنانے کے بعد امام کا خط میت کو دینا

بعض لوگ میت کو کفن پہنانے کے بعد امام مسجد کا لکھا ہوا خط میت کے دونوں ہاتھوں میں دیتے ہیں، سو یہ بھی بے اصل اور لغو ہے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند مکمل و مدلل ۲۵۶ ج ۵)

نماز جنازہ سے پہلے اور بعد اجتماعی دعا کرنا

بعض جگہ یہ رسم ہے کہ میت کو کفنانے کے بعد جنازہ تیار کر کے تمام حاضرین اجتماعی طور پر فاتحہ پڑھتے اور دعا کرتے ہیں اور بعض جگہ نماز جنازہ کے بعد بھی اجتماعی دعا کی جاتی ہے۔

تو یاد رکھئے کہ نماز جنازہ خود دعا ہے میت کے لئے جو شریعت نے دعا مقرر فرمائی ہے اس میں اجتماعی طور پر جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ میت اور تمام مسلمانوں کے لئے اتنی جامع اور مفید دعا ہے کہ ہم اور آپ عمر بھر سوچ بچار سے بھی اس سے بہتر دعا نہیں کر سکتے، نماز جنازہ سے پہلے یا بعد اجتماعی دعا یا فاتحہ پڑھنے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اس لئے یہ ناجائز اور بدعت ہے۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ دعا تو تمام زندہ و مردہ مسلمانوں کے لئے ہر وقت جائز ہے پھر اس موقع پر دعا مکروہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب یہ ہے کہ فقہاء کرامؒ نے انفرادی طور پر دعا کرنے سے منع نہیں فرمایا میت کے وقت انتقال بلکہ اس سے بھی پہلے عیادت کے زمانے سے اس کے لئے فرداً فرداً دعا مانگنے کا ثبوت احادیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ ہر مسلمان کو اختیار ہے بلکہ بہتر ہے کہ جب وہ کسی مریض کی عیادت کو جائے تو اس کے لئے دعا کرے اور اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرے اور دفن تک بلکہ اپنی زندگی بھر میت کے لئے دعا کرتا رہے، تلاوت قرآن کریم اور دیگر مالی و بدنی عبادتوں کا ثواب اسے پہنچاتا رہے، ان تمام حالات میں فرداً فرداً دعا کرنے یا ایصال ثواب کرنے کی کوئی ممانعت نہیں بشرطیکہ اپنی طرف سے کوئی ایسی بات ایجاد نہ کرے جو شریعت کے خلاف ہو، اور کوئی ایسی شرط یا پابندی اپنی طرف سے نہ لگائے جو شریعت نے عائد نہیں کی۔

رحمت عالم ﷺ نے مسلمان میت کے لئے اجتماع کے ساتھ دعا کرنے کا طریقہ صرف وہ مقرر فرمایا ہے، جسے نماز جنازہ کہتے ہیں انفرادی طور پر ہر شخص ہر وقت دعا کر سکتا ہے لیکن جمع ہو کر دعا کرنے کا ثبوت صرف نماز جنازہ کے اندر ہے اس سے پہلے یا اس کے بعد جن جن مواقع میں دعا کے لئے لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے یہ لوگوں کی اپنی ایجاد ہے اور فقہاء کرام اس اجتماع کو مکروہ اور بدعت فرماتے ہیں۔ فتاوی بزازیہ میں اس ممانعت

کی صراحت موجود ہے۔

(دلیل الخیرات ص ۵۱ تا ۵۴، امداد المفتیین ص ۴۴۴)

آج کل اس پر مزید ستم یہ ہونے لگا ہے کہ جو شخص اس بدعت میں شریک نہیں ہوتا اس پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کی بدعت اور جہالت و گمراہی سے محفوظ رکھے اور آنحضرت ﷺ کی سنت پر جینے اور اسی پر مرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

جنازہ یا قبر پر پھولوں کی چادر ڈالنا

قبر پر اور جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنے کا بھی ایک رواج چل نکلا ہے اور اسے تجہیز و تکفین کے اعمال میں سے ایک عمل سمجھا جاتا ہے اور قبر پر اگربتیاں جلائی جاتی ہیں حالانکہ قرآن و سنت اور صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین سے ان تینوں امور کا کوئی ثبوت نہیں۔ لہٰذا یہ بھی بدعت اور ناجائز ہے۔

(امداد الاحکام ص ۹۲ ج ا و علماء کا متفقہ فیصلہ)

جنازہ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا

ایک رواج یہ عام ہو گیا ہے کہ اگر کسی شخص کا انتقال اس کے وطن کے علاوہ اور کسی شہر یا ملک میں ہو تو اسے وہیں دفن نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے وطن میں پہنچانا اور وہاں پر دفن کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور ہوائی جہاز تک کے اخراجات کو اس سلسلہ میں برداشت کیا جاتا ہے یہ بھی حد شرعی سے تجاوز ہے، مستحب یہ ہے کہ جس شخص کا جہاں انتقال ہوا اسے وہیں دفن کیا جائے ایک ملک سے دوسرے ملک یا ایک شہر سے دوسرے شہر دفن کے لئے لے جانا خلاف اولیٰ ہے، بشرطیکہ وہ دوسرا مقام ایک دو میل سے زیادہ دور نہ ہو اور اگر اس سے زیادہ دور ہو تو پھر میت کو دوسری جگہ لے جانا جائز ہی نہیں ہے اور دفن کرنے کے بعد کھود کر لے جانا تو ہر حالت میں ناجائز ہے۔

(بہشتی گوہر ص ۹۲)

غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا

فقہ حنفی میں نماز جنازہ صحیح ہونے کے لئے میت کا سامنے موجود ہونا شرط ہے، بغیر اس

کے نماز جنازہ درست نہیں لیکن اب غائبانہ نماز جنازہ کا بھی رواج ہو رہا ہے، فقہ حنفی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے حنفی مسلک رکھنے والوں کو اس میں شرکت کرنا درست نہیں۔

(امداد الاحکام ص ۷۳۳ ج ۱)

نماز جنازہ مکرر پڑھنا

ایک غلطی یہ بھی ہو رہی ہے کہ میت پر متعدد بار جنازہ کی نماز ہوتی ہے اور یہ عموماً اس وقت ہوتی ہے جب میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کیا جائے، اس وقت دونوں شہروں میں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ نماز جنازہ مکرر پڑھنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر دوسروں نے جنازہ کی نماز پڑھ لی ہو اور خود ولی نے ان کے پیچھے نماز جنازہ نہ پڑھی ہو تو اس کو دوبارہ پڑھنے کا حق ہے۔

(امداد الاحکام ص ۷۳۵ ج ۱)

نماز جنازہ کے فوٹو شائع کرنا

دور حاضر کی ایک لعنت یہ بھی ہے کہ نماز جنازہ کے فوٹو اخبارات میں شائع کئے جاتے ہیں اور فوٹو میں ممتاز شخصیات کو نمایاں کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ یہ تصویر کشی حرام ہے۔

جوتے پہن کر نماز جنازہ پڑھنا

ایک کوتاہی عام طور سے یہ بھی ہو رہی ہے کہ لوگ روز مرہ کے عام زیر استعمال جوتے پہن کر یا ان کے اوپر قدم رکھ کر جنازہ کی نماز پڑھ لیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ وہ جوتے پاک بھی ہیں یا نہیں، حالانکہ اگر جوتے پہنے پہنے نماز پڑھی جائے تو ضروری ہے کہ زمین اور جوتے کے اندر اور نیچے کی دونوں جانبیں پاک ہوں، ورنہ نماز نہ ہوگی، اور اگر جوتوں سے پیر نکال کر اوپر رکھ لئے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ جوتوں کا اوپر کا حصہ جو پیر سے متصل ہے پاک ہو اور اگرچہ نیچے کا ناپاک ہو، اگر اوپر کا حصہ بھی ناپاک ہو تو اس پر نماز درست نہ ہوگی۔ (امداد الاحکام ص ۷۵۰ ج ۱)

میت کے فوٹو کھینچنا

بعض لوگ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر میت کا منہ کھول کر اس کا فوٹو کھینچتے یا کھنچواتے ہیں تاکہ بطور یادگار اسے محفوظ رکھیں، یاد رکھئے تصویر کشی مطلقاً حرام ہے، لہذا میت کا فوٹو لینا بھی حرام ہے، فوٹو کھینچنے اور کھینچوانے والے دونوں گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

(تصویر کے شرعی احکام)

بلند آواز سے جنازہ کی نیت کرنا

بعض جگہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نماز جنازہ کی نیت بلند آواز سے کرتے ہیں، سو اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے، البتہ امام اتفاقاً کبھی تعلیم کی غرض سے جنازہ کی نیت بتلادے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، درست ہے، لیکن اس کا معمول بنالینا اور ضروری سمجھنا بدعت ہے۔

(علماء کا متفقہ فیصلہ)

جنازے ساتھ کلمہ شہادت باآواز بلند پڑھنا

ایک رسم پڑگئی ہے کہ میت کو کندھا دیتے وقت اور دوران راہ ایک یا کئی آدمی بلند آواز سے "کلمہ شہادت" پکارتے ہیں اور سب حاضرین بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں، حالانکہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کلمہ شہادت اور کلمہ طیبہ اور کوئی ذکر کرنا آنحضرت ﷺ کی سنت نہیں، اس موقع پر آپ ﷺ خاموش رہتے تھے جیسا کہ اسی کتاب میں جنازہ اٹھانے کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں، لہذا یہ رسم بھی سنت کے خلاف اور بدعت ہے۔

(امداد المفتین ص ۱۸۶)

جنازہ کے ساتھ اناج پیسہ اور کھانا بھیجنا

بعض جگہ جنازہ کے ساتھ اناج یا پیسے یا کھانے کے خوانچے آگے آگے لے کر چلتے ہیں، جن میں مختلف کھانے اور میوے ہوتے ہیں، پھر یہ اناج کھانے اور میوے قبرستان میں تقسیم ہوتے ہیں، سو واضح ہو کہ ایصال ثواب تو بہت اچھا کام ہے لیکن ایصال ثواب کی یہ

اپنی طرف سے طے کردہ صورت کہیں ثابت نہیں، متعدد وجوہ سے یہ بدعت اور ناجائز ہے۔

(دلیل الخیرات)

آداب قبرستان کی رعایت نہ رکھنا

ایک عام کوتاہی یہ ہے کہ قبرستان میں پہنچ کر بھی لوگ دنیا کی باتیں نہیں چھوڑتے، حالانکہ یہ عبرت کی جگہ ہے، قبر اور آخرت کے مراحل ان کی ہولناکیوں اور اپنے انجام کی فکر کرنے کی جگہ ہے۔

قبرستان میں داخلہ کے وقت اہل قبرستان کو سلام کرنے کے جو کلمات منقول ہیں اکثر لوگ اس سے غافل رہتے ہیں۔

اکثر لوگ قبرستان میں داخل ہونے کا معروف راستہ چھوڑ کر قبروں کے اوپر سے پھلانگ کر میت کی قبر تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں بسا اوقات قبروں پر بھی چڑھ جاتے ہیں یاد رکھئے ایسا کرنا انتہائی قبیح فعل ہے، معروف اور مقررہ راستہ خواہ کچھ طویل سہی مگر اسی پر چلنا چاہئے۔

بعض لوگ قبرستان میں میت کے اردگرد جمع ہو کر بیٹھ جاتے ہیں مقصد میت کی تدفین کی کاروائی دیکھنا ہوتا ہے لیکن ان کے اجتماع سے اہل میت اور قبر بنانے والوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے اور ہجوم کی بناء پر آپس میں بھی ایک دوسرے کو اذیت ہوتی ہے، پھر اکثر قرب و جوار کی دوسری قبروں کو بھی اپنے پیروں سے بری طرح روندتے ہیں، یاد رکھئے دفن کی کاروائی دیکھنا کوئی فرض و واجب نہیں، لیکن دوسروں کو اپنے اس طرز عمل سے تکلیف دینا حرام ہے اور قبروں کو روندنا بھی جائز نہیں لہذا ان گناہوں سے اجتناب کیجئے، قبر کے پاس صرف کام کرنے والوں کو رہنے دیجئے تاکہ سہولت سے وہ اپنا کام کر سکیں اور جب مٹی دینے کا وقت آئے تو مٹی دے دیجئے۔

بعض لوگ مٹی دینے میں بھی بہت عجلت کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر چڑھ جاتے ہیں اور سخت تکلیف پہنچاتے ہیں یہ بھی ناجائز ہے۔

میت کا منہ قبر کو دکھلانا

بعض لوگ میت کو قبر میں رکھ کر اس کا منہ کھول کر قبر کو دکھلانا ضروری سمجھتے ہیں، شریعت میں اسکی کوئی اصل نہیں۔ (اصلاح انقلاب امت ص ۲۳۱)

میت کا صرف چہرہ قبلہ رخ کرنا

بعض لوگ میت کو قبر میں چت لٹا دیتے ہیں اور صرف میت کا منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں باقی سارے جسم کو کروٹ نہیں دیتے، یہ بھی فقہا کی تصریحات کے خلاف ہے، بلکہ میت کے تمام بدن کو اچھی طرح کروٹ دے کر قبلہ رخ کرنا چاہئے۔

(اصلاح انقلاب امت ص ۴۴۰ ج ۱)

امانت کے طور پر دفن کرنا

بعض جگہ لوگ میت کو جو کسی دوسرے علاقہ میں ہو گئی ہو تابوت وغیرہ میں رکھ کر امانت کہہ کر دفن کرتے ہیں اور پھر بعد میں کسی موقع پر تابوت نکال کر اپنے علاقے میں لے جا کر دفن کرتے ہیں، واضح رہے کہ دفن کرنے کے بعد خواہ امانۃً دفن کیا ہو یا بغیر اس کے دوبارہ نکالنا جائز نہیں، اور امانۃً دفن کرنا بھی شرعاً بے اصل ہے۔

(عزیز الفتاوی ص ۳۴۴ ج ۱)

میت کے سرہانے قل پڑھی ہوئی کنکریاں رکھنا

بعض لوگ قل پڑھی ہوئی کنکریاں یا مٹی کے ڈھیلے میت کے سرہانے رکھا کرتے ہیں، شرع میں ان کا بھی کوئی ثبوت نہیں لہذا بدعت ہے اور واجب الترک ہے۔

(علماء کا متفقہ فیصلہ)

اور بعض لوگ میت کے سرہانے دو روٹی اور سالن رکھتے ہیں، بعض لوگ قبر میں میت کے نیچے گدا بچھاتے ہیں؛ یہ دونوں باتیں بے اصل اور واجب الترک ہیں۔

دفن کے بعد منکر نکیر کے سوالوں کا جواب بتلانا

بعض لوگ جب مردہ کو قبر میں دفن کر چکتے ہیں تو قبر پر انگلی رکھ کر مردہ کو مخاطب کر کے یوں کہتے ہیں "اے فلانے اگر تم سے کوئی فرشتہ پوچھے کہ تمہارا رب کون ہے؟ تو تم یوں کہنا کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا رسول محمد ﷺ اور میرا دین اسلام ہے"، وغیرہ وغیرہ سو واضح ہو کہ یہ روافض کا شعار ہے اور اس میں متعدد مفاسد اور خرابیاں ہیں اس لئے یہ تلقین درست نہیں اس سے پرہیز کیجئے۔

(امداد الاحکام ص ۱۱۵ تا ۱۱۹ ج ۱)

دفن کے بعد سورہ مزمل اور اذان دینا

بعض جگہ دفن کے بعد حلقہ بنا کر سورہ مزمل پڑھنے کو یا اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو لازم سمجھا جاتا ہے اور دفن کے بعد قبر پر اذان بھی دیتے ہیں۔ پنجاب میں یہ رسم بہت عام ہے۔ قرآن وسنت صحابہؓ و تابعینؒ ائمہ مجتہدین اور سلف صالحینؒ کسی سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، یہ رسم بدعت ہے۔

(علماء کا متفقہ فیصلہ)

قبر کو پختہ بنانا

قبر کو پختہ بنانے کا رواج بہت عام ہو چکا ہے، بعض لوگ چونے، ریت سے پختہ بناتے ہیں، بعض سیمنٹ اینٹ لگواتے ہیں اور بعض لوگ سنگ مرمر سے پختہ کرواتے ہیں، یہ سب ناجائز ہے احادیث میں صاف صاف ممانعت موجود ہے۔

(فتاوی دار العلوم مکمل مدلل ص ۳۷۷ ج ۵)

قبر پر قبہ اور کٹہرا بنانا

بعض لوگ قبر کا بالائی حصہ تو کچا رکھتے ہیں لیکن قبر کا باقی تعویذ یعنی دائیں بائیں اور آگے پیچھے کا حصہ پختہ بنواتے ہیں اور قبر کے چاروں طرف جالیاں یا سنگ مرمر وغیرہ کا کٹہرا بنواتے ہیں اور بعض لوگ اس سے بھی آگے بڑھ کر قبر کے اوپر قبہ بنواتے ہیں یہ سب ناجائز اور بدعت ہے احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند مکمل مدلل ص ۳۹۵ ج ۵)

قبر پر چراغ جلانا

قبروں پر چراغ جلانے کی رسم بھی نہایت کثرت سے کی جاتی ہے۔ شب جمعہ، شب معراج، شب براۃ اور شب قدر میں خاص طور پر اس کا اہتمام ہوتا ہے اور باقاعدہ بر قی قمقمے اور لالٹینیں لگوائی جاتی ہیں، یہ سب ناجائز اور بدعت ہے۔

(سنت و بدعت ص ۸۶، ۹۳)

ایصال ثواب کے لئے ختم کے اجتماعات

قبرستان سے واپسی پر اسی دن یا دوسرے دن یا تیسرے دن جمع ہو کر قرآن کریم یا

آیت کریمہ یا کلمہ طیبہ کا ختم ہوتا ہے جس کے لئے اب تو اخبارات وغیرہ میں بھی اشتہارات دیے جاتے ہیں، پھر اجتماعی ایصال ثواب اور دعا کے بعد حاضرین کو کہیں کھانا، کہیں نقد اور کہیں شیرینی وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے۔

اول تو اس خاص طریقہ سے جمع ہو کر ختم اور ایصال ثواب کی رسم کا شریعت میں کہیں ثبوت نہیں، اس لئے بدعت ہے دوسرے اس میں مزید خرابیاں یہ ہیں کہ دوست، رشتہ دار تو عموماً محض شکایت سے بچنے کے لئے آتے ہیں، ایصال ثواب ہرگز مقصود نہیں ہوتا حتی کہ اگر کوئی عزیز اپنے گھر بیٹھ کر پورا قرآن پڑھ کر بخش دے تو اہل میت ہرگز راضی نہیں ہوتے اور نہ آنے کی شکایت باقی رہتی ہے اور یہاں آ کر یوں ہی تھوڑی دیر بیٹھ کر اور کوئی حیلہ بہانہ کر کے چلا جائے تو شکایت سے بچ جاتا ہے جو عمل ایسے لغو مقاصد کے لئے ہو اس کا کچھ ثواب نہیں ملتا، جب پڑھنے والے ہی کو ثواب نہ ملا تو مردے کو کیا بخشے گا؟ رہ گئے فقراء، و مساکین تو ان کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہاں جا کر صرف پڑھنا پڑے گا ملے گا کچھ نہیں ہرگز ایک بھی نہ آئے گا، معلوم ہوا کہ ان کا آنا محض اس توقع سے ہوتا ہے کہ کچھ ملے گا جب ان کا پڑھنا دنیاوی غرض سے ہوا تو اس کا ثواب بھی نہ ملے گا، پھر میت کو کیا بخشے گا؟ پھر قرآن خوانی کو جو ان لوگوں نے جاہ ومال کا ذریعہ بنایا اس کا گناہ سر پر الگ رہا اور جس طرح قرآن خوانی کا عوض لینا جائز نہیں اسی طرح دینا بھی جائز نہیں، پیچھے بار بار بیان ہو چکا ہے کہ ایصال ثواب اور دعا بہت اچھا کام ہے مگر اس کے لئے اجتماع یا کسی خاص دن یا تاریخ یا وقت کی کوئی قید شریعت نے نہیں لگائی، ہر شخص جب اور جہاں چاہے کسی بھی عبادت کا ثواب میت کو پہنچا سکتا ہے۔ اور دعا کر سکتا ہے اپنی طرف سے نت نئی قیدیں، شرطیں اور پابندیاں بڑھانا بدعت اور ناجائز ہے۔

(اصلاح الرسوم ص ۱۵۲)

اہل میت کی طرف سے دعوت طعام

ایک رسم یہ کی جاتی ہے کہ دفن کے بعد میت کے گھر والے برادری وغیرہ کو دعوت دیتے ہیں کہ فلاں روز آکر کھانا تناول فرمائیں، یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دعوت اور اس کا قبول کرنا دونوں ممنوع ہیں، ہرگز جائز نہیں اس قبیح رسم سے اجتناب لازم ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس دعوت کے متعلق لکھا ہے کہ "اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اور علاوہ

حنفی مذہب کے دیگر فقہی مذاہب مثلاً شافعیہ وغیرہ کا بھی اس کے ناجائز ہونے پر اتفاق بیان کیا ہے اور مسند احمد سنن ابن ماجہ سے روایت نقل کی ہے کہ صحابہؓ کے زمانہ میں بھی اس دعوت کو ناجائز سمجھا جاتا تھا۔

(امداد الاحکام ص ۱۱۵ ج ۱)

میت کے کپڑے جوڑے خیرات کرنا

ایک رسم یہ بھی ہے کہ میت کے انتقال کے بعد اس کے کپڑے اور جوڑے خاص کر استعمالی کپڑے خیرات کر دیتے ہیں، حالانکہ ورثاء میں اکثر نابالغ ورثاء بھی ہوتے ہیں یاد رکھئے! میت کے تمام کپڑے اور ہر چھوٹی بڑی چیز اس کا ترکہ ہے جس کو شرع کے مطابق تقسیم کرنا واجب ہے اس سے پہلے کوئی چیز خیرات نہ کی جائے، البتہ اگر سب وارث بالغ ہوں اور وہاں موجود ہوں اور خوش دلی سے سب متفق ہو کر دے دیں تو یہ خیرات کرنا جائز ہے لیکن اسے واجب یا ضروری سمجھنا پھر بھی بدعت ہے۔

(اصلاح الرسوم ص ۱۵۱)

میت کے گھر عورتوں کا اجتماع

میت کے گھر عورتیں بھی کئی مرتبہ جمع ہوتی ہیں، حالانکہ ایک بار تعزیت کر لینے کے بعد دوبارہ تعزیت کے لئے جانا مکروہ ہے۔ بظاہر ان کا آنا صبر و تسلی کے لئے ہوتا ہے لیکن ہوتا یہ ہے کہ اہل میت کو صبر دلانے، دل تھامنے اور تسلی دینے کی ایک بات نہیں، الٹا ان کو غم یاد دلا کر رونا پیٹنا شروع کر دیتی ہیں یا وہاں بیٹھ کر دنیا جہاں کی باتیں کرتی ہیں اور اہل میت کو زیر بار کرتی ہیں اور کپڑے اتنے بھڑک دار پہن کر آتی ہیں جیسے کسی کی شادی میں شریک ہو رہی ہوں، علاوہ ان کے اور بھی منکرات و مفاسد ہوتے ہیں جن سے اجتناب لازم ہے۔

(اصلاح الرسوم ص ۱۵۲)

تیسرے دن زیارت کرنا

بعض جگہ خاص اہتمام سے تیسرے روز میت کے مزار پر سب لوگ حاضری دیتے ہیں جس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ سب سے پہلے میت کے گھر فاتحہ، پھر محلہ کی مسجد

میں ایک فاتحہ، پھر قبرستان جا کر مردہ کی قبر پر ایک فاتحہ، پھر وہاں سے واپسی پر چالیس قدم پر فاتحہ، پھر مردہ کے گھر جا کر دوبارہ ایک فاتحہ یہ تمام رسمیں اور پابندیاں محض بدعت اور واجب الترک ہیں۔

تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں کرنا

میت کے انتقال کے بعد تیجہ کرنا، دسواں، بیسواں اور بالخصوص چالیسواں کرنے، تین ماہی اور چھ ماہی کرنے کا عام رواج ہے اور ان کو کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور جو نہ کرے اس کو طرح طرح کے طعنے دیئے جاتے ہیں یہ بھی سب بدعت اور ناجائز ہے۔

(علماء کا متفقہ فیصلہ)

شعبان کی چودھویں تاریخ کو عید منانا

بعض جگہ لوگ شعبان کی چودھویں تاریخ کو مردوں کی عید مناتے ہیں اور قسم قسم کے کھانے، حلوے، مشروبات، فروٹ وغیرہ تیار کرا کر ایصال ثواب کی غرض سے کسی غریب کو دیتے ہیں، ایصال ثواب تو پسندیدہ اور ثواب کا کام ہے جس کے لئے شریعت نے دن، تاریخ اور کھانوں کی کوئی پابندی نہیں رکھی، لہذا لوگوں کا اپنی طرف سے یہ پابندیاں بڑھانا بدعت ہے اور مردہ کی عید منانا بالکل خلاف اصل اور ناجائز ہے۔

(علماء کا متفقہ فیصلہ)

اہل میت کے یہاں کھانا بھجوانے کی غلط رسمیں

بعض جگہ میت کے رشتہ داروں کے یہاں سے ان کے لئے کھانا آتا ہے، یہ بہت اچھی بات ہے بلکہ مسنون ہے لیکن بعض لوگ اس میں بھی طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہیں، جن کی اصلاح ضروری ہے۔ مثلاً بعض جگہ ادلے بدلے کا خیال رکھا جاتا ہے اور کھانا تک دیکھا جاتا ہے کہ جیسا ہم نے دیا تھا ویسا ہی ہے یا کم درجہ کا، قریبی رشتہ داروں کی موجودگی میں اگر دور کا رشتہ دار بھیجنا چاہے تو اسے معیوب سمجھا جاتا ہے اور قریبی رشتہ دار اگرچہ تنگ دست ہوں بدنامی کے خوف سے پُر تکلف اور بڑھیا کھانا بھیجنا ضروری سمجھتے ہیں اگرچہ اس کے لئے قرض لینا پڑے، یہ سب رسمیں خلاف شریعت ہیں، کھانا بھیجنے میں بے تکلفی اور سادگی سے کام لینا چاہئے جس عزیز کو توفیق ہو وہ کھانا بھیج دے، نہ اس میں ادلے بدلے کا خیال کرنا چاہئے نہ اس کا کہ قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار کیسے بھیج دے؟ بعض لوگ دور کے رشتہ دار کو ہرگز بھیجنے نہیں دیتے، یہ سب امور قابل اصلاح ہیں۔

(اصلاح الرسوم ص ۱۷۷)

برسی منانا

دور حاضر کی ایک رسم یہ ہے کہ جس روز کسی کا خصوصاً صاحب وجاہت یا صاحب کمال کا انتقال ہو جائے، ہر سال اس تاریخ کو اجتماع کیا جاتا ہے۔ جیسے جلسے منعقد کئے جاتے ہیں، دعوتیں ہوتی ہیں اور بڑے اہتمام سے اس کو منایا جاتا ہے۔ قرآن و سنت، صحابہؓ و تابعینؒ ائمہ مسلمین اور سلف صالحین کسی سے اس کا کوئی ثبوت نہیں لہذا اس کو ترک کرنا واجب ہے۔

(امداد المفتین ص ۱۵۷ تا ۱۶۲)

عرس منانا

آج کل بزرگان دین کے مزاروں پر بڑی دھوم دھام سے معین تاریخوں میں عرس کئے جاتے ہیں اور خلق کثیر ان میں شرکت کرتی ہے اور اپنے لئے باعث برکت و ثواب سمجھتی ہے یاد رکھنا چاہئے کہ

صحیح عقیدت سے بزرگوں کے مزارات پر کسی خاص دن یا تاریخ یا وقت کی پابندی کے بغیر حاضر ہونا باعث برکت ہے، لیکن معین تاریخ یا وقت کی پابندی کو ضروری سمجھنا یا باعث ثواب سمجھنا یا وہاں میلہ لگانا بدعت ہے، خصوصاً آج کل تو گاجے باجے، بے پردگی اور طرح طرح کے حرام کاموں کا رواج بھی عرسوں میں بہت ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ ان تمام بدعتوں اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

قبر پر چادریں چڑھانا، منت ماننا

بزرگوں کے مزاروں پر کثرت سے چادریں چڑھانے، ان کے نام کی منت ماننے کا عام رواج ہے، یہ سب خلاف شرع ہیں اور مطلقاً حرام ہیں۔

(سنت و بدعت ص ۵۶)

قبر پر چڑھاوا چڑھانا اور اس کو تبرک سمجھنا

شب جمعہ، شب براءۃ اور دوسرے موقعوں پر مزاروں اور قبروں پر قسم قسم کے کھانے، مشروبات میوہ جات، مٹھائیاں صاحب مزار کو خوش کرنے کی غرض سے چڑھائی جاتی ہیں یا منت پوری ہونے پر رکھی جاتی ہیں اور پھر قبر سے اٹھا کر مجاورین، حاضرین پر تقسیم کر دی جاتی ہیں جس کو صاحب مزار کا تبرک سمجھا جاتا ہے۔

یاد رکھئے یہ چڑھاوا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں اور اس کو حلال سمجھنے میں کفر کا اندیشہ ہے، خدا کی پناہ۔

(سنت و بدعت ص ۷۶)

قبر کا طواف اور سجدہ

بزرگوں کے مزارات پر لوگ صاحب مزار کے سامنے سجدہ کرنے اور چاروں کونوں کا طواف کرنے میں بھی مشغول نظر آتے ہیں جن کا مطلقاً حرام ہونا ایک کھلی ہوئی بات ہے بلکہ یہ کام اگر بقصد عبادت ہوں تو صریح کفر ہیں، اور صرف تعظیم کے لئے ہوں عبادت کے لئے نہ ہوں تب بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ (العیاذ باللہ)

(سنت و بدعت ص ۷۷)

قبر کا مجاور بننا

بعض لوگ بظاہر ترک دنیا کر کے مزارات پر جا پڑتے ہیں اور جو کچھ مزارات پر آتا ہے، اس پر زندگی بسر کرتے ہیں اکثر ان میں سے بھنگ، چرس اور دیگر محرمات میں مبتلا رہتے ہیں، سو مزارات پر اس طرح مقیم ہونا بالکل ممنوع ہے اور اس غلط رسم میں ان کی مدد کرنا بھی جائز نہیں۔

(سنت و بدعت ص ۷۷)

عورتوں کا قبرستان جانا

آج کل قبرستان بالخصوص بزرگوں کے مزارات پر عورتوں کا آنا جانا بکثرت ہے، جاننا چاہئے کہ عورتوں کے واسطے زیارت قبور کی یہ شرائط ہیں، جانے والی عورت جوان نہ ہو بڑھیا ہو، خوب پردے کے ساتھ جائے، پھر وہاں جا کر شرک نہ کرے، بدعت نہ کرے، قبر پر پھول نہ چڑھائے، چادر نہ چڑھائے، صاحب قبر سے کچھ نہ مانگے، نہ منت مانے،

رونا دھونا اور نوحہ بازی نہ کرے اور بھی کسی خلاف شرع کام کا ارتکاب نہ کرے، ان شرائط کی مکمل پابندی کرنے والی عورت قبرستان جا سکتی ہے اور جو عورت ان شرائط کی پابندی نہیں کر سکتی اس کا قبرستان اور مزارات پر جانا حرام ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ عورتیں ان شرائط کی قطعاً پابندی نہیں کرتیں بالخصوص عرس وغیرہ کے موقعہ پر جو آج کل سراسر منکرات، بدعات اور مفاسد سے مرکب ہوتا ہے لہٰذا ایسے موقعہ پر ان کا جانا بلاشبہ حرام اور ناجائز ہے۔ حدیث میں ایسی عورتوں پر لعنت کی گئی ہے۔

(امداد الاحکام ص ۶۹۰ ج ۱)

ایصال ثواب کی لئے اجرت دے کر قرآن پڑھنا

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے اجرت پر ایک آدمی رکھ لیتے ہیں جو روزانہ مرحوم کی قبر پر قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور اپنے زعم کے مطابق مرحوم کو ثواب پہنچاتا ہے، سو واضح ہو کہ اجرت پر ایصال ثواب کے لئے قرآن کریم پڑھنا اور پڑھوانا حرام ہے، بعض لوگ آیت کریمہ اور کلمہ طیبہ کا ختم بھی برائے ایصال اجرت دے کر کراتے ہیں سو ان کا ختم بھی اجرت دے کر کرانا حرام ہے۔

(احسن الفتاوی ص ۳۷۵ ج ۱)

چوتھا حق، دعوت کو قبول

احادیث مبارکہ میں مسلمانوں کے آپس کے حقوق میں سے ایک حق یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو کھانے کی دعوت دے تو اسے قبول کرنا چاہئے۔ بلکہ علماء نے دعوت قبول کرنے کو ان حقوق میں شمار کیا ہے جو ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر واجب ہوتے ہیں کیونکہ اس سے اسلامی اخوت مضبوط ہوتی ہے، محبت بڑھتی ہے اور دلوں کی کدورتیں ختم ہوتی ہیں، ان وجوہ کی بناء پر دعوت قبول کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور انکار کرنے کو گناہ شمار کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ چھ خصلتیں ایسی ہیں جو ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان پر واجب ہیں جو آدمی ان امور میں سے کسی ایک کو بھی ترک کرے تو گویا اس نے ایک ایسے حق کو چھوڑا جس پر عمل کرنا

واجب تھا۔

وہ چھ امور مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اگر کوئی مسلمان دعوت دے تو اس کو قبول کرے۔

۲۔ جب کسی مسلمان سے ملاقات ہو تو سلام کرے۔

۳۔ اگر اس کو چھینک آئے اور وہ "الحمدللہ" کہے تو "یرحمک اللہ" کہکر جواب دے۔

۴۔ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کی جائے۔

۵۔ اگر وہ مشورہ اور خیر خواہی طلب کرے تو بہتر اور خیر خواہی والا مشورہ دیا جائے۔

۶۔ بعض احادیث میں ہے کہ اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ قبرستان تک جائے۔

(رواہ ابن حبان)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اس کو قبول کرلے پھر وہاں جاکر چاہے کھائے یا نہ کھائے یعنی دعوت کو رد نہ کرے وہاں جاکر اپنی خواہش کو دیکھے اگر کھانے کی گنجائش خواہش ہو تو کھالے ورنہ نہ کھائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو تمہارا مسلمان بھائی دعوت دے تو اس کو قبول کرنا چاہئے چاہے شادی کے کھانے کی دعوت ہو یا کوئی اور دعوت ہو۔

(رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ ولیمے کا کھانا اس اعتبار سے سب سے برا کھانا ہے کہ مالداروں کو تو دعوت دی جاتی اور فقیروں کو نظر انداز کیا جاتا ہے لیکن باوجود اس کے جس کو دعوت دی جائے اور وہ نہ جائے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے۔

(متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو دعوت دی گئی اور اس نے قبول نہیں کی تو اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ اور رسول ﷺ کی

نافرمانی کی اور جو شخص بغیر بلائے دعوت میں چلا جائے تو وہ چور بن کر داخل ہوتا ہے اور ڈاکو بن کر نکلتا ہے۔

(رواہ ابو داؤد)

دعوت قبول کرنے کا حکم

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دعوت قبول کرنا شریعت کا حکم ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم واجب ہے یا مستحب امام شافعیؒ کے ہاں فرض عین ہے البتہ اگر عذر ہو تو پھر دعوت قبول کرنا فرض نہیں۔

دوسرا قول بعض علماء کا یہ ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے دعوت ولیمہ کے متعلق شوافع کا مذہب استحباب کا ہے دوسری دعوتوں کے متعلق بھی استحباب کا قول ہے، اسی طرح دعوت ولیمہ کے قبول کرنے کے متعلق وجوب کا قول بھی ہے۔

قاضی عیاض مالکیؒ نے کہا ہے کہ ولیمہ کی دعوت کا قبول کرنا بالاتفاق واجب ہے البتہ دوسری دعوتوں کے قبول کرنے کے متعلق وجوب اور عدم وجوب کا اختلاف ہے۔

امام مالکؒ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ واجب نہیں ہے۔

اہل ظواہر اور بعض سلف کا قول یہ ہے کہ ہر دعوت کا قبول کرنا واجب ہے۔

(شرح مسلم للنووی ص ۲۳۴ ج ۹)

دعوت قبول کرنے کے متعلق بعض ضروری احکام یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) اگر کوئی یہودی یا عیسائی یعنی اہل کتاب میں سے کوئی دعوت دے تو کیا اس کا قبول کرنا ضروری ہوگا یا نہیں؟

ایک قول یہ ہے کہ واجب ہے کیونکہ دعوت کے قبول کرنے کے متعلق جو احادیث اوپر ذکر کی گئی ہیں وہ عام ہیں اس میں مسلمان اور کتابی کے فرق کا ذکر نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی دعوت کا قبول کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ ان کے کھانے سے طبیعت کو گھن آتی ہے، وہ سود اور حرام کاروبار کرتے ہیں۔ نیز دعوت قبول کرنے کا حکم آپس کی اخوت اور بھائی چارے کے مضبوط کرنے کیلئے ہے اور ان لوگوں کے

ساتھ اس کی ضرورت نہیں نیز آج کل ان کی مجالس مخلوط اور بہت ساری بے حیائیوں کا مجموعہ ہوتی ہیں اس لئے قبول کرنا جائز نہیں کیونکہ مسلمانوں کے لیئے ایسی دعوتوں کو بھی قبول کرنا جائز نہیں جن میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہو یا وہاں کوئی دوسرا ناجائز کام مثلاً تصویر کشی ہوتی ہو تو کفار کی دعوتوں کو قبول کرنا کیونکر جائز ہوگا لہذا ان کی دعوت قبول کرنا تو کسی طرح بھی جائز نہیں ہوگا۔

(۲) جب دعوت دینے کے لئے کوئی آئے اور یوں کہے کہ فلاں نے مجھے آپ کو دعوت دینے کے لیئے بھیجا ہے آپ ان کی دعوت کو قبول کریں تب تو دعوت قبول کرنا ضروری ہے۔ اور اگر یوں کہے کہ فلاں نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں جس کو چاہوں ان کی دعوت میں بلاؤں لہذا آپ بھی آجائیں تو پھر دعوت قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ اسطرح کہنے کی صورت میں بھی مستحب یہ ہے کہ دعوت قبول کر کے حاضر ہو البتہ ضروری نہیں ہے۔

دعوت قبول نہ کرنے کے شرعی اعذار

وہ اعذار کہ جن کی وجہ سے دعوت قبول نہ کرنے کی اجازت ہے اور آدمی دعوت قبول نہ کرنے کی صورت میں گناہ گار بھی نہیں ہوتا مندرجہ ذیل ہیں۔ مثلاً آدمی خود بیمار ہو اور اس بیماری کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکتا ہو یا کسی بیمار کی تیمارداری میں مشغول ہو یا گھر میں میت ہو گئی ہو یا آگ لگی ہو جس کے بجھانے میں مشغول ہو یا دعوت میں جانے سے مال کے ضائع ہونے، چوری ہونے کا خطرہ ہو یا راستے میں کوئی خطرہ ہو تو ان اعذار کی وجہ سے دعوت قبول نہ کرنے کی گنجائش ہے۔ کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ ان اعذار کی وجہ سے جماعت کا ترک کرنا جائز ہے تو دعوت کو قبول نہ کرنا بطریق اولی جائز ہوگا۔

(۱) اگر کسی کے ہاں دعوت ولیمہ تین دن تک رہا اور تینوں دن کی دعوت دی گئی تو پہلے دن جانا واجب ہوگا بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہو دوسرے دن جانا مستحب اور جائز ہوگا تیسرے دن جانا ناجائز اور مکروہ ہوگا کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ ولیمہ پہلے دن حق ہے اور دوسرے دن معروف یعنی جائز ہے اور تیسرے دن دکھلاوا اور شہرت ہے۔

(رواہ احمد و ابو داؤد والترمذی)

(۲) اگر دو آدمی ایک وقت کی دعوت دیں تو جس نے پہلے دعوت دی اس کا حق مقدم ہے اس کی دعوت میں جائے اور دوسرے کو چھوڑ دے اور اگر دونوں نے ایک وقت دعوت دی ہو تو جس کا گھر قریب ہو اس کی دعوت کو قبول کرے کیونکہ گھر کی قربت کی وجہ سے اس کا حق زیادہ ہے۔ اس کے متعلق نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ اگر دو دعوت دینے والے جمع ہو جائیں تو جس کا دروازہ یعنی گھر قریب ہو اسکی دعوت کو قبول کیا جائے کیونکہ جس کا دروازہ زیادہ قریب ہے وہ پڑوس کے حق کی وجہ سے زیادہ حق رکھتا ہے البتہ اگر ایک پہلے دعوت دے دوسرا بعد میں تو پھر پہلے کی دعوت کو قبول کرے۔

(ذکرہ المحاملی وابن الصباغ)

شیخ ابو اسحاقؒ نے فرمایا کہ جب دونوں یک وقت دعوت دیں تو جس کا رشتہ زیادہ قریب کا ہو اسکی دعوت کو قبول کیا جائے بشرطیکہ دعوت دینے والے دونوں رشتہ دار ہوں ورنہ پھر اوپر بیان کردہ حدیث پر عمل کیا جائے یعنی اگر دونوں رشتہ میں برابر ہیں یا دونوں رشتہ دار نہیں ہیں تو پھر جس کا گھر قریب ہو اس کی دعوت قبول کرے لیکن روایت میں مطلقاً قرب دار یعنی گھر قریب ہونے کو وجہ ترجیح بتایا گیا ہے رشتہ داری کا ذکر نہیں ہے۔

اگر دونوں کے گھر برابر ہوں تو پھر قرعہ ڈالا جائے جس کے نام کا قرعہ نکلے اس کی دعوت کو قبول کرنا چاہئے۔

(۳) اگر دعوت میں بلایا جائے جہاں صرف ڈھول بجتا ہے اور دوسرے لغویات اور گانا یا ساز وغیرہ نہیں صرف شادی کی اطلاع کے لئے ڈھول بجایا جارہا ہے تو اس دعوت میں جانا جائز ہے۔ البتہ اگر دوسری لغویات یعنی گانے اور ساز وغیرہ بھی ہیں تو پھر نہیں جانا چاہئے۔ محمد بن الحاطب فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حلال اور حرام یعنی شادی اور زنا میں فرق ڈھول سے ہوتا ہے کہ شادی میں ڈھول بجایا جاتا ہے اور زنا چھپ کے کیا جاتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس ڈھول سے مراد وہ ڈھول بجانا ہے جس سے شادی کی اطلاع مقصود ہوتی ہے۔

(۴) اگر کسی مسلمان کو ایسی دعوت میں بلایا جائے جہاں کوئی ناجائز کام ہو رہا ہو مثلاً اس دعوت میں شراب پی جا رہی ہو یا گانے بج رہے ہوں تو اگر اس مدعو شخص کو منکر کو روکنے کی قدرت حاصل ہے تو ایسی جگہ ضرور حاضر ہو کہ اس ناجائز کام کو بند کرنا چاہئے

کیونکہ جس مسلمان کو بھی کسی ناجائز کام کا علم ہو جائے اور وہ اس کے ازالے کی قدرت رکھتا ہو تو اس پر اس منکر کا ازالہ واجب ہوتا ہے۔

اور اگر اس کے ازالہ کی قدرت و قوت نہ ہو تو اس دعوت میں نہیں جانا چاہئے کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسے دستر خوان پر بیٹھنے سے منع فرمایا جس پر شراب کا دور چل رہا ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام اور مشہور شاگرد حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ چل رہا تھا انہوں نے بانسری کی آواز سنی جو ایک چرواہا بجا رہا تھا تو انہوں نے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں کانوں میں ٹھونس دیں اور اس راستے سے ہٹ گئے بار بار مجھ سے پوچھتے تھے کہ نافع کیا آواز آ رہی ہے؟ جب میں نے عرض کیا کہ اب آواز نہیں آ رہی ہے تو پھر کانوں سے انگلیاں نکال دیں اور راستے پر آ گئے پھر فرمایا کہ میں نے اسی طرح نبی اکرم ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا۔

(۵) اگر کسی ایسی جگہ کھانے کے لئے بلایا جائے جہاں تصویریں ہوں تو اگر تصویر کسی غیر جاندار چیز کی ہے مثلاً کسی درخت یا جنگل یا باغ اور دریا وغیرہ کی تو پھر ایسی جگہ بیٹھنا اور کھانا پینا جائز ہے اور اگر جاندار کی تصویریں ہیں لیکن یا تو وہ فرش پر ہیں کہ پامال ہوتی ہیں یا تکیہ وغیرہ پر کہ جس پر ٹیک لگایا جاتا ہے تو وہاں بیٹھنا اور کھانا پینا جائز ہے اور اگر جاندار کی تصویریں ہیں جو دیوار یا پردوں پر لگائی گئی ہیں یا چھپائی گئی ہیں تو اگر دعوت میں جانے والا اس کے ازالے پر قادر ہے تو انکا ازالہ کر کے بیٹھے اور کھائے، پیئے لیکن اگر اس کے ازالے پر قادر نہیں ہے تو پھر ایسی جگہ بیٹھنا اور کھانا پینا جائز نہیں ہے۔

ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے فرمایا کہ میں رات کو بھی حاضر ہوا تھا لیکن دروازے پر تصاویر بنی ہوئی تھیں جن کی وجہ سے میں آپ کے پاس اندر نہیں گیا، اسی طرح گھر میں جو پردہ لٹک رہا تھا اس پر بھی تصویریں بنی ہوئی تھیں اور گھر میں کتا بھی تھا آپ حکم دیں کہ دروازے والی تصویروں کا سر مٹایا جائے اور اگر لکڑی کی ہے تو اس کا سر کاٹا جائے اور پردے کو کاٹ کر اس سے دو بستر بنائے جائیں جو زمین پر بچھائے جائیں اور لوگ اس پر بیٹھ کر اس کو پامال کریں اور کتے کو گھر سے نکلوا دیجئے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت جبریل کے کہنے کے مطابق عمل کیا۔

جو تصویریں درختوں کی طرح ہوں یا بے جان چیز کی ہوں تو وہ نقوش کی طرح ہیں اور جو تصویریں کسی جاندار کی ہوں اور دیوار یا پردے پر ہوں تو وہ بت کے حکم میں ہیں البتہ جو تصویریں زمین یا بستر پر ہوں اور ان کی تعظیم نہ کی جاتی ہو بلکہ پامال ہوتی رہتی ہوں وہ عدم تعظیم کی وجہ سے بت کے حکم میں نہیں ہیں۔

جب کسی کو دعوت دی جائے اور وہ دعوت میں چلا جائے تو اگر روزہ نہیں ہے تو مستحب یہ ہے کہ کچھ کھا پی لے تاکہ بلانے والا خوش ہو اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کھانا واجب ہے اگرچہ تھوڑا ہی کھائے چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو اس کو قبول کر لینا چاہئے پھر اگر روزے سے نہ ہو تو کھا لے اور روزہ سے ہو تو اپنے روزے کو پورا کرے، صرف دعا کر لے، اسی طرح حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اس کو قبول کر لے وہاں جانے کے بعد چاہے تو کھا لے اور چاہے تو نہ کھائے۔

(۸) اگر کسی کو دعوت دی جائے اور اس کا روزہ ہو تو بھی دعوت کے قبول کرنے کا وجوب ساقط نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں دونوں صورتوں میں دعوت قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے نیز یہ کہ دعوت دینے سے مقصود بعض دفعہ مہمانوں کی کثرت ہوتی ہے کہ زیادہ مہمان میری دعوت میں تشریف لائیں اور بعض دفعہ کسی خاص آدمی کو برکت کیلئے دعوت دی جاتی ہے کھانا کھلانا مقصود نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ تکثیر اور برکت کا فائدہ مدعو حضرات کے روزے کی صورت میں بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

پھر روزہ اگر فرض ہے تو دعوت کیلئے افطار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ابھی ابھی گزرا ہے کہ اگر مدعو روزے سے ہے تو اپنے روزے کو برقرار رکھے یعنی نہ کھائے صرف داعی کیلئے دعا کرے۔

اور اگر نفلی روزہ ہے تو افطار کر لینا چاہئے تاکہ داعی خوش ہو جائے البتہ اگر کوئی شخص افطار نہ کرے تو بھی جائز ہے کیونکہ اس نے جب ایک عبادت اور نیکی شروع کی ہے تو اب اس کا ترک کرنا اس پر واجب نہیں ہے۔

(۹) جو شخص دعوت میں کھانا کھائے تو اس کو چاہئے کہ داعی کیلئے دعا کرے کیونکہ حضرت عبداللہ

بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ حضرت سعد بن معاذ کے ہاں افطار کیا تو جب کھانے سے فارغ ہوئے تو یہ دعا کی۔

"افطر عندکم الصائمون وصلت علیکم الملائکۃ واکل طعامکم الابرار"

یعنی تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا اور فرشتوں نے تم پر رحمت کی دعا کی اور تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا۔

دعوت قبول کرنے کے آداب

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین کی چوتھی جلد میں دعوت قبول کرنے کے آداب کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ اس کے پانچ آداب ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ غنی اور فقیر کی دعوت میں فرق نہ کرے کیونکہ یہ تکبر کی دلیل ہے جس سے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا۔ بعض علماء اس وجہ سے کسی کی دعوت میں نہیں جایا کرتے تھے کہ بعض دفعہ اغنیاء کے ہاں جا کر اس میں ذلت اختیار کرنی پڑتی تھی چنانچہ ایک عالم سے مروی ہے کہ دوسروں کی دسترخوان پر شوربے کا انتظار کرنا ذلت ہے۔ ایک دوسرے سے منقول ہے کہ جب دوسرے کے تھال میں آدمی ہاتھ رکھ دے تو پھر آدمی کی گردن اس کے سامنے جھک جاتی ہے۔ بعض متکبرین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اغنیاء کی دعوت کو تو قبول کرتے ہیں لیکن فقراء اور غریب اگر دعوت کریں تو ان کی دعوت کو قبول نہیں کرتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ غلاموں اور مسکینوں کی دعوت کو بھی قبول فرمایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت حسنؓ بن علیؓ کا گذر کچھ غریب لوگوں پر سے ہوا جو راہ پر بیٹھے ہوئے لوگوں سے مانگ رہے تھے، کھانے کا وقت تھا تو ان کے پاس روٹی کے کچھ سوکھے ٹکڑے تھے جو انہوں نے اپنے درمیان ریت پر رکھ دیئے تھے اور وہ کھا رہے تھے، جب حضرت حسنؓ کو آتا ہوا دیکھا تو دعوت دی کہ تشریف لائیے، آپ نے ان کی دعوت قبول کی اور آکر زمین پر ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگے پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے پھر فرمایا کہ میں نے تمہاری دعوت قبول کی تم بھی میری دعوت قبول کرو۔ چنانچہ آپ نے بھی ان سب کی دعوت کی اور ان کے لئے پُرتکلف انتظام کیا اور پھر ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

یہ کہنا کہ جس کے تھال میں میں نے ہاتھ رکھا تو میری گردن اس کے سامنے جھک گئی یہ سنت کے خلاف ہے کسی کی دعوت کو قبول کرنا اور اس کے ہاں کھا لینا ذلت نہیں اور نہ اس سے آدمی کی گردن جھکتی ہے، ایسا تو تب ہوگا جب آدمی خود بخود چلا جائے اور دعوت کرنے والا اس کے آنے اور دعوت قبول کرنے پر راضی نہ ہو اور داعی کسی کو کھلانا احسان سمجھتا ہو۔ نبی اکرم ﷺ کا کسی کے ہاں تشریف لے جانا تو گھر والوں کے لئے فخر کی بات ہوتی تھی اور کسی کی دعوت کو قبول کرنا آپ کا ان پر احسان ہوتا تھا بہر حال احوال و اشخاص وغیرھم کے اعتبار سے احکام بھی مختلف ہوں گے۔

جس کے متعلق یہ گمان ہو یا علم ہو جائے کہ وہ دل سے دعوت نہیں کرتا صرف فخرو دکھلاوے یا تکلف و تکبر کے لئے دعوت کرتا ہے تو ایسے لوگوں کی دعوت کو قبول کرنا اور ان کے ہاں جانا جائز نہیں ہوگا چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایسے لوگوں کے ہاں کھانا کھانے سے منع فرمایا جو دکھلاوے اور فخرو مباہات کے لئے لوگوں کو کھانا کھلائے۔ بعض صوفیائے کرام سے منقول ہے کہ صرف ان لوگوں کی دعوت قبول کرنی چاہئے کہ جن کے ہاں اگر آپ کھانا کھالیں تو وہ آپ پر کوئی احسان نہ جتلائیں بلکہ یہ سمجھیں کہ آپ نے اپنا رزق کھایا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اس آدمی کے ہاں مقرر کیا تھا اور گویا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے ان کے ہاں امانت کے طور پر رکھا گیا تھا اور آپ کے کھانا کھانے کو اپنے اوپر آپ کا احسان سمجھیں کہ آپ نے ان کے ہاں سے اللہ تعالیٰ کی امانت کو قبول کیا اور ان کو اس امانت کی حفاظت کی مشقت سے بچایا چنانچہ مشہور صوفی حضرت سری سقطیؒ سے منقول ہے کہ اس لقمے کی تمنا ہے کہ جس کے حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخلوق کا احسان نہ ہو۔ لہٰذا جب آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کو دعوت دینے والا کل اس کھانے کا احسان آپ پر نہیں جتلائے گا تو اس قسم کی دعوت کو رد کرنا مناسب نہیں بلکہ قبول کرنا مستحب اور بہتر ہے۔

حضرت ابو تراب النخشبیؒ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ مجھے کھانا پیش کیا گیا میں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب کے طور پر چودہ دن مجھے بھوکا رکھا گیا اور کھانا نہیں ملا میں سمجھ گیا کہ یہ اس کھانے کے قبول نہ کرنے کی سزا ہے جو بغیر کسی احسان کے اللہ کے ایک بندے نے پیش کیا تھا اور میں نے اس کا انکار کیا۔

حضرت معروف کرخیؒ سے کسی نے پوچھا کہ جو بھی آپ کو دعوت دیتا ہے آپ اس کی دعوت قبول کر کے اس کے یہاں پہنچ جاتے ہیں، فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوں جہاں اللہ تعالیٰ مجھے کھلائیں گے میں کھاؤں گا۔

(۲) اگر کوئی ایسا آدمی دعوت دے کہ جس کا گھر دور ہو تو اس وجہ سے دعوت کو رد نہیں کرنا چاہئے جیسے کہ دعوت دینے والے کی غربت کی وجہ سے دعوت کو رد کرنا مناسب نہیں بلکہ جب بھی کسی کی طرف سے دعوت دی جائے اگر اس کا گھر اتنا دور ہو کہ عام طور پر لوگ اتنی دور تک کسی کے ہاں کھانا کھانے کے لئے جایا کرتے ہیں تو جانا چاہئے۔

چنانچہ منقول ہے کہ تورات یا اور کسی پرانی کتاب میں یہ وحی کی گئی تھی کہ ایک میل چل کر مریض کی عیادت کر، دو میل چل کر جنازے کی مشایعت کیا کر، تین میل چل کر دعوت قبول کیا کر، اور چار میل چل کر اپنے دوست اور دینی بھائی کی ملاقات کیا کر۔

دعوت قبول کرنا اور کسی دوست کی ملاقات کے لئے جانا دونوں زندہ لوگوں کا حق ہے اس لئے اس کا اہتمام کرنا چاہئے اور جنازے کے ساتھ چلنے سے بھی اس کو زیادہ اہمیت دینی چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ اگر غمیم جیسے دور مقام پر بھی مجھے دعوت دی جائے تو میں قبول کروں گا یہ مقام مدینہ منورہ سے کافی دور ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ سفر میں جا رہے تھے، جب مدینہ منورہ سے نکل کر اس مقام پر پہنچے تو آپ نے روزہ بھی سفر کی وجہ سے افطار کیا اور نماز بھی قصر پڑھی۔

(۳) نفلی روزہ رکھنے کی وجہ سے کسی کی دعوت کو رد نہیں کرنا چاہئے بلکہ وہاں حاضر ہونا چاہئے اگر اس مسلمان بھائی کی خوشی کھانا کھانے میں ہے تو پھر افطار کر کے کھانا بھی کھا لینا چاہئے بلکہ اس افطار میں بھی اگر ایک مسلمان کی خوشی کی نیت کر لے تو ثواب کا مستحق ہوگا اور نفلی روزہ رکھنے سے بھی زیادہ ثواب ملے گا، روزے کی قضاء بعد میں کی جائے۔

البتہ اگر یہ معلوم ہو کہ میرے حاضر ہونے اور کھانے کو میزبان زیادہ ضروری نہیں سمجھتا بلکہ اگر اصرار کرتا ہے تو وہ بھی تکلف کی وجہ سے کرتا ہے تو پھر کوئی عذر پیش کرے۔

۱ - حدیث میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے اس آدمی کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا جس نے نفلی روزے کے عذر کی وجہ سے دعوت میں شرکت سے یا کھانے سے معذوری ظاہر

کی تھی کہ تیرے مسلمان بھائی نے تیرے لئے تکلف کیا ہے اور تو کہتا ہے کہ میں روزے سے ہوں، یعنی ایسے موقع پر نفلی روزے کی وجہ سے انکار کرنے کو آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ اہم مجلسوں کی عزت یہ ہے کہ آدمی ان کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے افطار کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے مسلمان کی خوشی کے لئے افطار کرنا بھی عبادت اور کار ثواب ہے اور حسن اخلاق کا تقاضا بھی ہے بلکہ علماء کے قول کے مطابق ایسے موقع پر نفلی روزے سے افطار کرنا روزہ رکھنے کی بنسبت زیادہ ثواب رکھتا ہے البتہ اگر کوئی مہمان افطار نہ کرے تو پھر خوشبو، لوبان کی دھونی اور اچھی گفتگو سے اس کی ضیافت کی جانی چاہئے۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ سرمہ اور خوشبو بھی ایک قسم کی ضیافت ہے۔

(۴) اگر کسی کو یہ یقینی طریقے سے معلوم ہو جائے کہ دعوت میں حرام یا مغصوبہ چیز کھلائی جائے گی اس قسم کی دعوت کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح اگر دعوت کسی نامناسب جگہ ہو مثلاً فحاشی والے ہوٹل یا اس دعوت میں منکرات اور ناجائز امور ہوں مثلاً ریشم کے دستر خوان یا فرش یا سونے چاندی کے برتن یا جاندار کی تصاویر ہوں یا دعوت میں اجتماع کی تصویریں بنائی جاتی ہوں یا وہاں ساز اور گانا ہو یا ناجائز قسم کے کھیل کود ہوں اور مذاق ہو یا وہاں غیبت اور چغلی بہتان باندھنا اور جھوٹ بولنا ہو غرضیکہ اگر اس دعوت میں کسی بھی ناجائز امر کا ارتکاب ہوتا ہو تو اس قسم کی دعوتوں میں جانا اور شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ ممانعت اور حرمت ہے اور ان چیزوں کی وجہ سے دعوت کے قبول کرنے کا استحباب بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگر دعوت کرنے والا ظالم، بدعتی، فاسق، شریر، رشوت خور، اور حرام خور، شرعی حدود سے زیادہ تجاوز کرنے والا ہو اور مقصد بھی ریا اور دکھلاوا ہو تو اس کی دعوت میں جانا جائز نہیں ہے۔

(۵) دعوت قبول کرتے ہوئے بھی مقصد پیٹ کی شہوت و حاجت پورا کرنا نہ ہو کیونکہ یہ پھر دنیا کا عمل ہوگا جس پر کوئی ثواب نہیں ملے گا بلکہ اچھی نیت کرنے تا کہ دعوت قبول کرنے اور کھانے کا عمل بھی عمل ثواب اور آخرت کے لئے کارآمد بن جائے مثلاً

دعوت قبول کرتے ہوئے یہ نیت کرلے کہ میں اس لئے اس دعوت کو قبول کرتا ہوں کہ دعوت قبول کرنا نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے اور آپ نے دعوت قبول کرنے کی تاکید کی ہے جیسے کہ آپ کا ارشاد ہے کہ اگر بکری کے کھر کھانے کے لئے بھی دعوت دی جائے تو میں قبول کروں گا۔

نیز یہ نیت بھی ہو کہ میں اس دعوت کو اس لئے قبول کرتا ہوں تاکہ دعوت نہ قبول کرنے کے گناہ سے محفوظ رہ سکوں۔ جیسے حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ جس نے (جائز قسم کی) دعوت کو قبول نہیں کیا تو اس شخص نے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

نیز اپنے مومن اور مسلمان بھائی کی عزت افزائی کی نیت بھی کرے تاکہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول پر بھی عمل ہو سکے اور مندرجہ ذیل حدیث میں بیان کردہ فضیلت بھی حاصل کر سکے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے مومن بھائی کی عزت کی گویا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عزت کی۔

اسی طرح مسلمان اور مومن کو خوش کرنے کی نیت کرے کہ میرے جانے اور شرکت کرنے سے اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے کہ مندرجہ ذیل حدیث میں جو فضیلت اس عمل کی بیان کی گئی ہے اس کو بھی حاصل کر سکے چنانچہ ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی مسلمان کو (جائز طریقے سے) خوش کیا تو گویا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو خوش کیا۔ یہ نیت بھی ہو کہ میں جا کر اپنے مسلمان بھائیوں اور خصوصاً داعی کی زیارت کروں گا تاکہ اس کے ذریعہ یہ ان لوگوں کے زمرے میں داخل ہو کہ جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنے والوں کی صفات میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اللہ تعالیٰ کے لئے ملاقات کریں گے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ایک دوسرے پر خرچ کریں گے دعوت میں بھی میزبان کی جانب سے خرچ اور مہمان کی جانب سے زیارت و ملاقات کی نیت ہو تو اس فضیلت کو بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح دعوت میں اس نیت سے شرکت کرے کہ میرا مسلمان بھائی میری شرکت نہ کرنے سے میرے متعلق بدگمانی میں مبتلا نہ ہو اور میری غیبت نہ کرے کہ میں بد اخلاق ہو گیا ہوں یا متکبر ہو گیا ہوں، اس

وجہ سے میں نے دعوت میں شرکت نہیں کی یا یہ کہ اپنے داعی بھائی کو حقیر سمجھتا ہوں اس لئے میں نے اس کی دعوت میں شرکت نہیں کی کیونکہ شرکت کرنے سے غیبت اور بدگمانی کے یہ سب اسباب ختم ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا مختلف نیت ایسی ہیں کہ ان میں ہر ایک نیت مستقل طور پر کار ثواب ہے تو جس عمل میں یہ سب امور جمع ہو جائیں تو اس کی اچھائی اور ثواب کا کیا کہنا۔ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ فرمایا کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ ہر عمل کرتے ہوئے میری کوئی اچھی نیت ہو، یہاں تک کہ کھانے پینے میں بھی کوئی اچھی نیت ہو تاکہ اپنے نفس کی حاجت کے پورے ہونے کے ساتھ ثواب بھی حاصل ہو۔ ان جیسے امور کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ ہر عمل کے ثواب کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرلے پس جس کی ہجرت اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما کر اس پر ثواب دیں گے اور جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہوگی تاکہ دنیا حاصل کرلے یا کسی عورت کے لئے ہجرت ہو تاکہ اس سے شادی کرلے تو اس کی ہجرت اس چیز کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی یعنی اس قسم کی ہجرت پر ثواب نہیں ہو گا اور یہ شخص حقیقی مہاجر نہیں کہلائے گا۔ (اخرجہ البخاری فی صحیحہ)

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ مباح کاموں یا طاعت اور نیکی کے کاموں میں نیت اثر کرتی ہے اور نیت کی وجہ سے وہ امور باعث ثواب بنتے ہیں یا ثواب میں زیادتی ہوتی ہے، جو امور شرعاً ممنوع ہوں تو اس کا ارتکاب کرتے ہوئے اگر کوئی شخص اچھی نیت کرے تو اس میں نیت اثر نہیں کرتی ہے اور اچھی نیت سے ناجائز کام جائز نہیں بنتا ہے۔

مثلاً کوئی شخص نعوذ باللہ یہ نیت کرے کہ شراب پلا کر اپنے مسلمان بھائیوں کو خوش کرے تاکہ ثواب ملے یا کسی اور حرام کام کا ارتکاب کرکے ثواب کی نیت کرے تو اس صورت میں اچھی نیت کی وجہ سے وہ حرام کام جائز یا کار ثواب نہیں بنتا اور نہ اس مقام پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے میری نیت اچھی تھی۔

اسی طرح جہاد جو محض عبادت اور نیکی ہی ہے اگر اس میں کوئی آدمی فخر و ریاء یا مال کی طلب کی نیت کرے تو اس میں طاعت اور نیکی کا پہلو ختم ہو جائیگا۔ اسی طرح مباح کام

نیت کے اعتبار سے نیکی یا گناہ میں تبدیل ہو جاتا ہے تو خلاصہ یہ کہ نیت صرف مباحات اور طاعات میں اثر کرتی ہے، حرام اور ناجائز امور میں نیت اثر نہیں کرتی۔

دعوت دینے والے کے گھر میں حاضری اور بیٹھنے کے آداب

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں لکھا ہے کہ

۱۔ جب دعوت دینے والے کے گھر میں پہنچے تو اجازت کے ساتھ اندر داخل ہو۔

۲۔ اور از خود اچھی جگہ اور صدر مجلس میں نہ بیٹھے بلکہ تواضع اختیار کر کے عام لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ بیٹھے۔

۳۔ دعوت دینے والے نے جس وقت بلایا ہو اس وقت جانا چاہئے لوگوں کو اپنے انتظار میں نہیں مبتلا کرنا چاہئے جیسے کہ ہمارے زمانے میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والے لوگوں کی عادت ہے کہ وقت مقررہ سے کئی کئی گھنٹے دیر سے پہنچتے ہیں اور عام لوگ بے چارے ان کے منتظر رہتے ہیں۔

۴۔ اسی طرح وقت مقررہ سے پہلے بھی نہیں جانا چاہئے کہ گھر والوں کی تیاری سے پہلے پہنچے اور وہ تکلیف میں مبتلا ہو جائیں۔

۵۔ دوسرے بیٹھنے والوں کی رعایت کر کے بیٹھنا چاہئے اور زیادہ جگہ گھیر کر اہل مجلس کو تنگ نہیں کرنا چاہئے۔

۶۔ اگر داعی کسی خاص جگہ بیٹھنے کے لئے کہے تو اسی جگہ بیٹھنا چاہئے کیونکہ بعض دفعہ گھر والے اپنی سہولت اور ترتیب کے مطابق ہر آدمی کی جگہ مقرر کرتے ہیں جس کی مخالفت ان کے لئے باعث تکلیف و ایذا ہوتی ہے البتہ اگر مہمانوں میں سے کوئی شخص اکرام کرنا چاہے اور اپنی جگہ یا کسی خاص جگہ بٹھانا چاہے تو پھر تواضع اختیار کرنا اور اس جگہ نہ بیٹھنا جائز ہے نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ آدمی مجالس میں کم تر جگہ بیٹھنے پر بھی خوش ہو جائے۔

۷۔ میزبان کے گھر میں ایسی جگہ بیٹھنا جائز نہیں جہاں سے مکان کا زنانہ حصہ نظر آتا ہو اور بے پردگی ہوتی ہو۔

۸۔ جہاں سے کھانا لیا جا رہا ہو، بار بار اس طرف دیکھنا بھی مناسب نہیں یہ آدمی کے بھوکے اور حریص ہونے کی علامت ہے۔

۹۔ جب مجلس میں بیٹھ جائے تو قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے سلام و کلام کرنا چاہئے۔

۱۰۔ جب کوئی شخص کسی کے ہاں مہمان ہو اور رات گذارنے کے لئے ٹھہرے تو میزبان کو چاہئے کہ اس کو قبلہ بتائے، بیت الخلاء یعنی استنجاء کی جگہ، وضو اور دوسری ضروریات کے مقامات بھی دکھلائے۔ چنانچہ امام شافعیؒ ایک دفعہ امام مالکؒ کے ہاں مہمان ہوئے تو امام مالکؒ نے اسی طرح ان کو سب ضروریات سے آگاہ کیا۔

امام مالکؒ نے ایک دفعہ لوگوں کی دعوت کی جب مہمان کھانے کے لئے آئے تو امام مالکؒ نے سب سے پہلے خود ہاتھ دھوئے اور فرمایا کہ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کے موقعہ پر میزبان کو پہلے ہاتھ دھونا چاہئے کیونکہ وہ لوگوں کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دیتا ہے لہذا خود اس کو اس عمل کی ابتداء کرنی چاہئے البتہ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے موقعہ پر اس کو سب سے اخیر میں ہاتھ دھونا چاہئے تاکہ اگر کوئی مہمان بعد میں تاخیر سے آئے تو یہ اس کے ساتھ بھی کھانے میں شریک ہو سکے۔

۱۱۔ جب میزبان کے ہاں جائے تو اگر وہاں کوئی منکر اور ناجائز کام نظر آئے تو اگر ہاتھ سے اس کے بدلنے کی قدرت ہو تو اس کو بدل دے ورنہ زبان سے اس پر نکیر کرے اس کے باوجود اثر نہ ہو تو لوٹ آئے۔

وہ منکر ناجائز امور کہ جن کا ارتکاب عموماً ایسے موقعوں پر کیا جاتا ہے مندرجہ ذیل ہیں، مثلاً ریشم کی چادریں بچھانا یا سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال یا دیواروں پر جاندار کی تصاویر یا ساز اور گانا وغیرہ یا دعوت میں بے پردہ عورتوں کا ہونا جیسے آجکل مخلوط دعوتیں ہوتی ہیں یا دعوتوں میں تصویر کشی جیسے آجکل ویڈیو فلم بنانے کا رواج ہے یہ سب ناجائز امور ہیں جن دعوتوں میں ان ناجائز امور کا ارتکاب ہوتا ہو ان میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ اگر دعوت کے مقام پر ایسی سرمہ دانی رکھی ہوئی ہو جسکا ڈھکنا چاندی کا ہو تو اس میں شریک نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ بے فائدہ تکلف ہے، اسی طرح امام احمدؒ سے یہ منقول ہے کہ اگر دیواروں پر بلا ضرورت پردے لگائے گئے ہوں یا ریشم کے پردے لگائے گئے ہوں تو بھی ایسی دعوت میں شریک نہیں ہونا چاہئے منقول ہے کہ اگر کسی نے ایسا گھر کرائے پر لیا کہ جس کی دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی تھیں یا ایسے حمام میں داخل ہوا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں تو اس کو مٹانا چاہئے اور اگر اس کی

قدرت نہ ہو تو پھر وہاں سے نکل جانا چاہئے۔ البتہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ سونا اور ریشم کا استعمال چونکہ مردوں کے لئے حرام ہے جیسے کہ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے سونے اور ریشم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور ظاہر ہے کہ دیواروں پر ریشم کا ہونا مرد کا استعمال نہیں ہے اس لئے اگرچہ یہ ناجائز تو ہے لیکن ایسی صورت میں دعوت میں شریک ہونا جائز ہوگا۔ بہرحال ان آداب پر حتی الامکان عمل کرنا چاہئے۔

۱۲۔ جب کوئی مسلمان بھائی کھانے کی دعوت دے تو اس کو قبول کرنا چاہئے چنانچہ کسی شاعر کا قول ہے کہ

من دعانا فابینا ۔ فلہ الفضل علینا
واذا نحن اجبنا ۔ رجع الفضل الینا

"یعنی جب کوئی ہمیں دعوت دے اور ہم انکار کر دیں تو پھر وہ ہم سے افضل ہوگا اور جب ہم دعوت قبول کریں گے تو پھر فضیلت ہماری طرف لوٹ آئے گی"

۱۱۔ بغیر دعوت اور بلانے کے کسی کے ہاں طفیلی اور بن بلایا مہمان بن کر نہیں جانا چاہئے اس سے آدمی کی عزت اور وقار پر دھبہ لگتا ہے اور شرعاً جائز بھی نہیں۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے کہ

لا تکن ضیفاً ثقیلاً ۔ یکرہ الناس لقاء ک
عساہ مستعیراً ۔ لک من قوم عشاء ک
و عساہ مستعیراً ۔ لک من جار غطاء ک
ان فی الفندق ماواک ۔ وفی السوق غذاء ک

"تم بھاری مہمان مت ہو کہ پھر لوگ تمہاری ملاقات کو ناپسند کرنے لگیں شاید وہ تیرے لئے دوسروں سے کھانے مانگیں اور تیرے رات گزارنے کے لئے پڑوسیوں سے بستر مانگیں، ہوٹل میں تیرے لئے اچھا ٹھکانا ہے اور بازار میں اچھا کھانا مل جاتا ہے"

۱۴۔ اسی طرح جس کے ہاں مہمان آجائے تو اسے چاہئے کہ خوشی اور بشاشت کے ساتھ اسکا استقبال کرے اور دل میں بھی خوش ہونا چاہئے اور مہمان کو اللہ تعالیٰ کیطرف سے

رحمت سمجھنا چاہئے۔

کما قیل

قم اذا ما الضیف جاء ک ۔ وامنح الضیف غذاء ک
واجعل من وجھک مرآۃ ۔ یری فیھا صفاء ک
ان یھن عندک ضیف ۔ یکن الھون جزاء ک

"جب مہمان آئے تو تمہیں اس کے استقبال کے لئے کھڑا ہونا چاہئے اور خوشی کا اظہار کرنا چاہئے اور اپنا کھانا اسے دینا چاہئے اور اپنے چہرے کو خوش رکھنا چاہئے تاکہ وہ اس آئینے میں آپکے دل کی صفائی اور محبت دیکھے اگر مہمان تمہارے ہاں بے عزت ہوا تو تمہارا بھی پھر یہی بدلہ (حشر میں) ہوگا"

پانچواں حق، چھینک کا جواب

اگر کسی کو چھینک آئے اور وہ "الحمدللہ" کہدے تو اس کو "یرحمک اللہ" سے جواب دینا بھی مسلمان کے حقوق میں سے ایک حق ہے اس حق کے احکام کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے ہم امام نووی کی کتاب الاذکار سے ان کا بیان نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتے ہیں اور جمائی کو ناپسند فرماتے ہیں جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہدے تو سننے والے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ یرحمک اللہ سے جواب دیں، جمائی آنا شیطان کے اثرات میں سے ہے لہذا جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اس کو دفع کرنے کی کوشش کرنے کیونکہ جمائی لینے والا جب منہ کھولتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ الحمدللہ کہا کرے اور سننے والے اس کو یرحمک اللہ سے جواب دیا کریں اور چھینکنے والا یھدیکم اللہ و یصلح بالکم سے جواب دے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت بہتر کرے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

کہ نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں دو آدمیوں کو چھینک آئی تو آپ نے ایک کو "یرحمک اللہ" کہکر جواب دیا اور دوسرے کو جواب نہیں دیا جس کو جواب نہ دیا اس نے آپ سے شکایت کی کہ فلاں کو تو آپ نے دعا دی اور مجھے نہیں دی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے چھینکنے پر الحمدللہ کہا تھا اس لئے میں نے جواب دیا اور تم نے الحمدللہ نہیں کہا اس لئے میں نے تمہیں جواب نہیں دیا۔ آپ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ چھینکنے پر یرحمک اللہ کی دعا سے اس کو جواب دیا جائیگا جو چھینکنے پر الحمدللہ کہے ورنہ وہ اس دعا کا مستحق نہیں ہو گا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے منقول ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ارشاد فرمارہے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو اس کو یرحمک اللہ سے جواب دیا کرو اور اگر وہ الحمدللہ نہ کہے تو پھر اس کو جواب مت دو۔

صحیح بخاری اور مسلم میں ایک صحابی سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور سات باتوں سے روکا ہے جن سات باتوں کا حکم دیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔
(۱) مریض کی عیادت کرنا۔ (۲) جنازے کے ساتھ جانا (۳) چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا (۴) دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنا (۵) سلام کا جواب دینا (۶) مظلوم کی مدد کرنا (۷) قسم اٹھانے والے کی قسم کو پورا کرنا۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ (۱) سلام کا جواب دینا (۲) بیمار کی بیمار پرسی کرنا (۳) جنازے کے ساتھ جانا (۴) دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنا (۵) اور چھینکنے والا اگر الحمدللہ کہدے تو یرحمک اللہ کہکر اس کو جواب دینا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں منقول ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں (۱) جب ملاقات ہو تو سلام کرے۔ (۲) جب دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کیا جائے۔ (۳) جب خیر خواہی اور مشورہ طلب کرے تو خیر خواہی کا مشورہ دیا جائے۔ (۴) جب اس کو چھینک آئے اور الحمدللہ کہے تو یرحمک اللہ کہکر اس کا جواب دیا جائے۔ (۵) جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کی جائے۔ (۶) جب انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے

ساتھ جائے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے تو الحمدللہ کہنا مستحب ہے اگر الحمدللہ رب العالمین کہدے تو زیادہ بہتر ہے اور اگر الحمدللہ علی کل حال کہے تو یہ زیادہ افضل ہے۔

سنن ابو داؤد اور بعض دوسری کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو وہ الحمدللہ علی کل حال اور سننے والا یرحمک اللہ کہدے پھر چھینکنے والا یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کہے۔

سنن ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کی مجلس میں ایک آدمی کو چھینک آئی تو اس نے کہا الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ
حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں بھی الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ کہدیتا ہوں لیکن اس موقعہ پر آپ ﷺ نے ہمیں اس کی تعلیم نہیں دی آپ نے تو یہ تعلیم دی ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے تو وہ کہے کہ الحمدللہ علی کل حال اور سننے والوں کے لئے مستحب ہے کہ وہ یرحمک اللہ، یرحمکم اللہ اور رحمک اللہ سے جواب دیں اور اس کے بعد پھر چھینکنے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ یھدیکم اللہ ویصلح بالکم سے جواب دے یا یوں کہے کہ یغفر اللہ لنا ولکم یعنی اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔

موطا امام مالک میں حضرت نافعؒ کی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہدے تو جواب دینے والا یرحمک اللہ کہے وہ پھر جواب میں یوں کہے یرحمنا اللہ وایاکم ویغفر اللہ لنا ولکم

امام نوویؒ نے اپنی کتاب الاذکار میں احادیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

شوافع کے ہاں چھینکنے والے کے لئے الحمدللہ کہنے کے بعد جواب دینا سنت کفایہ ہے یعنی مجلس میں اگر بہت سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور بعض نے جواب دیا تو کافی ہے البتہ افضل یہ ہے کہ سب یرحمک اللہ کہکر جواب دیں کیونکہ حدیث میں نبی اکرم ﷺ

سے منقول ہے کہ اگر کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہدے تو ہر سننے والے مسلمان پر حق ہے کہ وہ یرحمک اللہ کہکر جواب دے احناف کا مذہب بھی یہی ہے۔

مالکیہ کے ہاں جواب کے سنت اور واجب ہونے میں اختلاف ہے قاضی عبدالوہابؒ مالکی نے فرمایا ہے کہ جواب سنت ہے اور مجلس میں سے ایک آدمی کا جواب دینا ہی کافی ہو جاتا ہے البتہ قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی کا قول یہ ہے کہ مجلس کے سب شرکاء پر جواب دینا واجب ہے۔

چھینک آنے کے بعض احکام

امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں کچھ احکام ذکر کئے ہیں جن کا جاننا ضروری ہے ہم ترتیب وار ان کو پیش کرتے ہیں۔

(۱) اگر کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ نہ کہے تو اس کو یرحمک اللہ نہ کہا جائے۔

(۲) الحمد للہ یا یرحمک اللہ کہتے ہوئے جواب اتنے اونچی آواز سے دینا چاہئے کہ اہل مجلس سن لیں۔

(۳) اگر چھینکنے والا الحمد للہ کے بجائے کوئی اور لفظ کہے تو پھر وہ جواب کا مستحق نہیں ہوتا ہے چنانچہ سنن ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت سالم بن عبید الاشجعیؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی کو چھینک آئی اس نے کہا السلام علیکم یعنی تم پر سلامتی ہو، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا السلام علیک وعلی امک اور تیری ماں پر سلامتی ہو، پھر ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو الحمد للہ کہے قریب والے یرحمک اللہ کہکر جواب دیں، پھر وہ یغفر اللہ لنا ولکم سے جواب دے۔

(۴) اگر نماز میں چھینک آئے تو احناف کا مذہب یہ ہے کہ الحمد للہ نہ کہے امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اتنا آہستہ الحمد للہ کہدے کہ خود سن لے امام مالکؒ کے ہاں تین قول ہیں، (۱) ایک تو امام شافعیؒ کی طرح اس کو قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی نے اختیار کیا ہے۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ دل میں کہے۔ (۳) تیسرا قول احناف کی طرح کہ نہ بلند آواز سے کہے اور نہ آہستہ کہے اور نہ دل میں کہے۔

(۵) سنت یہ ہے کہ جب چھینک آئے تو منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھے اور ڈھانپ لے تاکہ قریب یا سامنے والے پر منہ سے تھوک وغیرہ نہ پڑے، اسی طرح چھینک کی آواز کو پست

رکھے زیادہ آواز نہ نکالے۔ چنانچہ سنن ابو داؤد اور سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب چھینک آتی تو منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیتے اور آواز کو پست کرتے۔

ابن السنیؒ نے عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جمائی اور چھینک کے وقت آواز اونچی کرنے کو ناپسند فرماتے ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ارشاد فرما رہے تھے کہ جمائی اور چھینک کے وقت اونچی آواز نکالنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔

(۶) جب کسی مجلس میں کسی کو بار بار چھینک آئے تو تین دفعہ تک جواب دینا مسنون ہے۔ صحیح مسلم سنن ابو داؤد اور سنن ترمذی میں حضرت سلمہؓ بن الاکوعؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں ایک آدمی کو چھینک آئی اور الحمد للہ کہا تو آپ نے جواب میں یرحمک اللہ کہا، پھر اس کو چھینک آئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو زکام ہو گیا ہے ابو داؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ نے تیسری دفعہ جواب دینے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس آدمی کو زکام ہے حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں خود اس مجلس میں حاضر تھا۔ (قال الترمذی حدیث حسن صحیح)

سنن ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت عبیدؓ بن رفاعہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چھینکنے والے کو تین دفعہ جواب دیا جائے گا۔

یعنی اگر وہ چھینکے اور الحمد للہ کہدے تو تین دفعہ تک اس کو یرحمک اللہ کہا جائے گا اس کے بعد بھی اگر اس کو چھینک آئے اور الحمد للہ کہدے تو پھر اختیار ہے کہ چاہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے اور چاہے تو خاموش رہے۔

ابن السنی کی کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا ارشاد فرما رہے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کے ہم مجلس کو چاہئے کہ اس کو جواب دے البتہ اگر اس کو تین دفعہ سے زیادہ چھینک آئے تو پھر وہ زکام میں مبتلا ہے اس لئے اگر اس کا جواب نہ بھی دے تو جائز ہے۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ چھینک آنے والے کو کتنی دفعہ چھینک آنے پر جواب

دینا ضروری ہے۔

قاضی ابوبکرؒ ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ دوسری مرتبہ چھینک آنے پر اس کو بتایا جائے کہ آپ زکام میں مبتلاء ہیں اس لئے جواب دینا ضروری نہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ دو دفعہ جواب دے کر تیسری دفعہ اس سے کہا جائے، بعض فرماتے ہیں کہ تین دفعہ تک جواب دیا جائے اور چوتھی دفعہ اس سے یہ بات کی جائے۔ صحیح یہ ہے کہ دو دفعہ جواب دیا جائے اور تیسری دفعہ ان سے کہا جائے کہ آپ زکام میں مبتلاء ہیں۔

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب وہ بیمار ہے اور مرض زکام میں مبتلا ہو تو پھر تو وہ دعا کا زیادہ مستحق ہے لہذا بار بار اس کو دعا دینی چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ واقعۃ وہ بیمار ہے اور دعا کا زیادہ مستحق ہے اور اس کے لئے دعا کرنی بھی چاہئے لیکن چھینک والی مسنون دعا نہیں بلکہ وہ عام دعا جو ایک مسلمان اپنے دوسرے بیمار مسلمان بھائی کی سلامتی اور عافیت کیلئے کرتا ہے۔

(۷) اگر کسی کو چھینک آئے لیکن اس نے الحمدللہ نہیں کہا تو جیسے پہلے گذرا ہے کہ اس کو یرحمک اللہ سے جواب نہیں دیا جائے گا، اسی طرح اگر کسی نے چھینک کے بعد الحمدللہ کہا لیکن دوسرے نے سنا نہیں تو اس پر بھی جواب دینا ضروری نہیں۔ اگر مجلس میں بیٹھے تھے اور کسی کو چھینک آئی اور الحمدللہ بھی کہا بعض مجلس والوں نے سنا اور بعض نے نہیں سنا تو جنھوں نے سنا ہے ان کو چاہئے کہ جواب دیں اور یرحمک اللہ کہیں لیکن جنھوں نے نہیں سنا ان پر جواب دینا لازم نہیں۔ البتہ قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی نے لکھا ہے کہ جب مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ بعض لوگوں کو چھینک کا جواب دیتے ہوئے سن لیں جس سے ان کو اندازہ ہو جائے کہ مجلس میں کسی کو چھینک آئی اور اس نے الحمدللہ کہا (جس کے جواب میں یہ لوگ یرحمک اللہ کہہ رہے ہیں) تو انہیں بھی جواب میں یرحمک اللہ کہنا چاہئے۔

یہ مسئلہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اگر مجلس میں کسی کو چھینک آئے تو وہ الحمدللہ نہ کہے تو باقی ہم مجلسوں کو چاہئے کہ اگر وہ بھول گیا ہے تو اس کو یاد دلایا جائے اور اگر اس کو یہ ادب معلوم ہی نہیں تو اس کو اس کی تعلیم دیجائے۔

سنن ابو داؤد کی شرح معالم السنن میں علامہ خطابیؒ نے مشہور تابعی حضرت ابراھیمؒ سے یہی نقل کیا ہے کیونکہ اس سنت کا یاد دلانا یا اس کی تعلیم دینا یہ امر بالمعروف اور خیر خواہی کی قبیل ہی سے ہے۔

البتہ قاضی ابوبکرؒ ابن العربی مالکی کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چھینک آنے پر اس کو بھول جائے تو مجلس میں اس کو نہیں کہنا چاہئے لیکن پہلی رائے زیادہ صحیح ہے۔

(۸) اگر مخلوط مجلس ہے جس میں مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی مثلاً یہودی یا عیسائی وغیرہ بھی ہیں اور ان کو چھینک آئے تو اگر وہ چھینک آنے پر کچھ نہ کہیں تو جواب نہیں دینا چاہئے اور اگر وہ الحمدللہ کہدیں تو جواب میں یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کہنا چاہئے۔

سنن ابوداؤد و ترمذی میں صحیح اسانید کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ یہود جب نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں آتے تو چھینکنے کی کوشش کیا کرتے تھے تاکہ آپ ان کو یرحمک اللہ کہدیں لیکن آپ جواب میں یھدیکم اللہ ویصلح بالکم ارشاد فرمایا کرتے تھے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطاء فرمائے اور تمہاری حالت کی اصلاح فرمائے۔

علامہ عاقولی کا ارشاد ہے کہ یہود کی خباثت یہ تھی کہ وہ طلب رحمت بھی بغیر مسلمان ہوئے حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ اگر آپ دعا رحمت دیدیتے تو ان کے لئے بھی پھر رحمت کی امید کی جاسکتی تھی۔

(۹) اگر کسی شخص کو جمائی آئے تو سنت یہ ہے کہ ممکن حد تک اس کو روکے اور منہ پر ہاتھ رکھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اسے چاہئے کہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھے کیونکہ اس حالت میں جب انسان منہ کھولتا ہے تو شیطان اس کے منہ میں داخل ہوتا ہے۔

ہر مسلمان کو چاہئے کہ ان آداب و سنن پر خود بھی عمل کرے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ان آداب پر عمل کرنے کی تلقین کرے کیونکہ اسطرح ہر مسلمان کو سنت پر عمل کرنے کی تعلیم بھی ہوگی اور اس ذریعے سے معاشرے میں سنت کی ترویج بھی ہوگی، جس پر صحیح حدیث کے مطابق سو شہیدوں کا اجر ملتا ہے۔

چھٹا حق، مسلمانوں کی خیر خواہی

ہر مسلمان کی خیر خواہی چاہنا یہ بھی مسلمانوں کے آپس کے حقوق میں سے ہے اس لئے ہر مسلمان پر اس حکم کو پورا کرنا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی چاہنا واجب ہے مثلاً جب کوئی مسلمان آپ سے کسی کام کے متعلق مشورہ کرتا ہے تو پورے اخلاص اور سچائی کے ساتھ اس کو وہی مشورہ دیں جو آپ کے خیال میں اس کیلئے خیر خواہی پر مبنی ہو جیسے کوئی شادی سفر یا تجارت وغیرہ کے بارے میں آپ سے مشورہ کر رہا ہے یا اور کوئی ایسا کام جسے وہ کرنا چاہتا ہے یا اس کے اسباب اختیار کرنا چاہتا ہے اور اس کے سلسلے میں آپ سے مشورہ کر رہا ہے تو آپ پر واجب ہے کہ آپ اس کو وہی مشورہ دیں جس میں آپ کے خیال میں اس کی خیر خواہی ہو یہی مطلب ہے نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کا کہ جب مسلمان تم سے خیر خواہی طلب کرے تو اس کی خیر خواہی کرو"

جب کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان سے مشورہ طلب کرتا ہے تو اس میں اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس مسلمان کو کامل عقل مند اور مخلص سمجھتا ہے اور خود بھی کامل اور عقل مند آدمی ہے۔

چنانچہ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ آدمیوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ کامل آدمی، کامل آدمی وہ ہے کہ جو خود بھی ذی رائے و ہوشیار اور سمجھدار ہو، اور دوسروں سے مشورہ بھی کرتا ہو۔

۲۔ آدھا آدمی، آدھا آدمی وہ ہے جو خود تو ہوشیار، سمجھ دار اور ذی رائے ہو لیکن کسی سے مشورہ نہ کرتا ہو۔

۳۔ تیسرا وہ آدمی ہے جو حقیقۃً آدمی نہ ہو البتہ شکل و صورت آدمی کی ہو، یہ وہ آدمی ہے جو خود بھی ہوشیار اور سمجھدار نہ ہو اور اپنے امور و معاملات میں ہوشیار، سمجھدار اور خیر خواہ لوگوں سے مشورہ بھی نہ کرتا ہو۔

اس لئے آدمی کو چاہئے کہ سمجھدار اور ہوشیار ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں سے مشورہ بھی کرتا رہے۔

جس سے مشورہ لیا جائے وہ ایسا آدمی ہو کہ جو خیر خواہ ہو اور مخلص بھی، مثلاً اگر کسی آدمی سے شادی کے بارے میں مشورہ کیا جائے کہ مجھے فلاں جگہ شادی کرنی ہے آپ کی کیا

رائے ہے؟ اب اس کو چاہئے کہ اگر وہ اس خاتون یا اس کے خاندان سے واقفیت ہو تو اخلاص اور سچائی کے ساتھ ان کے متعلق جو کچھ جانتا ہو اس کی روشنی میں صحیح مشورہ دے اس طرح اگر کوئی آدمی کسی تجارت یا سفر کے بارے میں آپ سے مشورہ لے تو ضروری ہے کہ اس کام کے متعلق آپ کو جو تجربہ یا علم ہو اس کی روشنی میں آپ اسے صحیح مشورہ دیں اور جو کچھ جانتے ہوں اس کو پوری وضاحت اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ اس کے سامنے پیش کریں، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں سے مشورہ کے علاوہ استخارہ بھی کیا جائے پھر جس بات پر دل جم جائے، اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اس پر عمل کیا جائے جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔ (القرآن)

"آپ ان سے معاملات میں مشورہ کریں اور پھر جب کسی بات پر عزم کرلیں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے"

جس سے مشورہ لیا جائے اگر وہ بد خواہی کا مشورہ دے تو یہ دھوکہ ہے جس کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "من غش امتی فلیس منی "یعنی جس نے میری امت کو دھوکہ دیا وہ مجھ سے نہیں، یعنی میرے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

استخارہ

علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کا سفر کا ارادہ ہو تو پہلے اس سفر کے بارے میں کسی ایسے آدمی سے مشورہ کیا جائے جس میں مندرجہ ذیل صفات پائی جاتی ہوں،

۱۔ اس کی دین داری پر اس کو اعتماد ہو۔

۲۔ وہ اس کے حق میں شفقت کا جذبہ رکھتا ہو۔

۳۔ وہ اس کا خیر خواہ ہو۔

۴۔ وہ آدمی اس کام یا اس سفر کے بارے میں واقفیت بھی رکھتا ہو۔

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود اپنے نبی ﷺ کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے کہ "وشاورھم فی الامر یعنی آپ مختلف معاملات میں ان سے مشورہ کیجئے۔ آپ مختلف اسفار اور غزوات وغیرہ کے سلسلے میں یا امیر وغیرہ مقرر کرنے کے بارے میں مختلف صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

جب مشورہ سے اس کام یا سفر میں عظمت ظاہر ہو جائے تو پھر اس کے بعد اس کام کے سلسلے میں استخارہ بھی کرے۔

استخارہ کرنے کا طریقہ

استخارہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب آپ کوئی ایسا کام کرنا چاہتے ہیں جس کا کرنا شرعاً ضروری بھی نہ ہو اور وہ گناہ بھی نہ ہو تو دو رکعت نماز استخارے کی نیت سے پڑھ لے اور پھر اس کے بعد مندرجہ ذیل دعا پڑھے۔

اللھم انی استخیرک بعلمک و استقدرک بقدرتک و اسالک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا اقدر وتعلم ولا اعلم وانت علام الغیوب اللھم ان کنت تعلم ان ھذا الامر خیر لی فی دینی و معاشی وعاقبۃ امری وفی عاجل امری وآجلہ فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی فیہ وان کنت تعلم ان ھذا الامر شر لی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ امری وفی عاجل امری وآجلہ فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ واقدر لی الخیر حیث کان ثم رضنی بہ۔

ان ھذا الامر کی جگہ اپنی ضرورت اور حاجت کا نام لیں۔ (رواہ البخاری)

علماء فرماتے ہیں کہ نماز پڑھ کر اس کے بعد استخارہ کی دعا پڑھنا مستحب ہے چاہے استخارے کے لئے مستقل دو رکعت نفل پڑھے چاہئے دو رکعت سنت موکدہ یا تحیۃ المسجد وغیرہ پڑھے اس کے بعد بھی استخارہ کی دعا پڑھ کر استخارہ کیا جاسکتا ہے۔

اگر استخارے کیلئے مستقل نفل پڑھنا چاہے تو مستحب ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورہ قل یا ایھا الکافرون پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قل ھو اللہ احد یعنی سورہ اخلاص پڑھے۔

اگر کسی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکے تو صرف دعا استخارہ پڑھ کر بھی استخارہ کیا جاسکتا ہے البتہ مستحب یہ ہے کہ دعا کی ابتدا اور اختتام پر اللہ کی حمد اور درود شریف پڑھے۔

تمام جائز امور میں استخارہ کرنا مستحب ہے البتہ وہ کام جو شرعاً ناجائز ہو یا شریعت نے اس کو ضروری قرار دیا ہو جیسے فرض نماز تو اس میں استخارہ نہیں ہے۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہمیں سب کاموں کیلئے

استخارے کی تعلیم اسطرح دیتے تھے جیسے کہ قرآن کریم کی سورتوں کی تعلیم دیا کرتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو دو رکعت نفل پڑھ کر استخارہ کی دعا پڑھو۔

جب کسی کام کیلئے استخارہ کیا جائے تو یہ ضروری نہیں کہ استخارے کے بعد اس کام کے متعلق خواب نظر آئے بلکہ استخارے کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ جو کام کیا جارہا ہے اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے طلب خیر کی دعا کی جائے لہذا استخارے کے بعد جس جانب شرح صدر اور میلان ہو جائے اس پر عمل کیا جانا چاہئے۔

سنن ترمذی میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے اللھم خرلی واخترلی؛ امام ابن السنیؒ نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت انسؓ بن مالک سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے انس! جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اپنے رب سے استخارہ کیا کرو یعنی طلب خیر کی دعا کیا کرو اور استخارہ کی دعا سات دفعہ پڑھا کر اس کے بعد پھر تیرا دل جس جانب مائل ہو جائے تو اس پر عمل کیا کر اس میں خیر ہوگی۔ "قال اسنادہ غریب و فیھم من لا اعرفھم"

النصیحۃ کا مفہوم

ریاض الصالحین کی شرح دلیل الصالحین میں ہے کہ حدیث میں "النصیحۃ" کا جو لفظ مروی ہے یہ بہت ہی جامع لفظ ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس کی خیر خواہی مطلوب ہو گویا اس کیلئے تمام خیر کو جمع کیا جانا مقصود ہے۔

فرمایا کہ یہ لفظ عرب کے اس محاورے سے ماخوذ ہے کہ نصح الرجل ثوبہ یعنی فلاں نے اپنا کپڑا سیا، گویا جیسے کپڑے سینے والا کپڑوں کے خلل کو سی کر دور کر دیتا ہے اسی طرح خیر خواہ کرنے والا جس کی خیر خواہی کرتا ہے اس کے خلل اور ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

اسی طرح عرب کہتے ہیں کہ "نصحت العسل" یعنی میں نے شہد کو بالکل صاف اور خالص کیا، اسی طرح خیر خواہی چاہنے والے کی خیر خواہی خالص ہوتی ہے اس لئے خیر خواہی کیلئے عربی میں لفظ "النصیحۃ" استعمال ہوتا ہے۔

انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اپنی امتوں کی خیر خواہی چاہی اور ہمیشہ ان سے خیر

خواہی کا معاملہ کیا ہے۔

چنانچہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ

ابلغکم رسالات ربی وانصح لکم واعلم من اللہ مالا تعلمون۔

(سورۃ الاعراف آیت نمبر ٦٢)

"میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات اور احکام پہنچاتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جو تم نہیں جانتے"

یعنی اس پیغام رسانی میں میری کوئی دنیوی غرض نہیں بلکہ محض تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں کیونکہ توحید و رسالت اور اللہ تعالیٰ کے احکام ماننے میں تمہارا ہی دنیوی و اخروی نفع ہے۔

حضرت ھود علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں یوں ارشاد ہے کہ

ابلغکم رسالات ربی وانا لکم ناصح امین۔

(سورۃ العراف آیت نمبر ٦٨)

"میں پہنچاتا ہوں تمہیں اپنے رب کے پیغامات اور میں تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں کہ جو اطمینان کے لائق ہے"

یعنی خیر خواہ بھی ہوں اور امانت دار بھی ہوں کہ پوری امانت داری اور دیانت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا پیغام اور تمہاری خیر خواہی کی باتیں تم تک پہنچاتا ہوں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ خیر خواہ ہونا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفت ہے، اس لئے مسلمان میں اس صفت کا ہونا بہت خوبی کی بات ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کا خیر چاہنے والا ہو۔

خیر خواہی کا حکم

دلیل الفالحین (ج ۴) شرح ریاض الصالحین میں ہے کہ مسلمانوں کی خیر خواہی چاہنا فرض کفایہ ہے اگر بعض مسلمان اس فرض کو پورا کرلیں تو باقی مسلمانوں سے اس فرض کے پورا نہ کرنے کا گناہ ساقط ہو جاتا ہے، مثلاً اگر کوئی آدمی ایسا کام کرنا چاہتا ہے جس میں اس کا دنیوی یا اخروی نقصان ہے اور کوئی مسلمان اس کو نصیحت کرے کہ بھائی یہ کام مت کرو اس میں آپ کا نقصان ہے اس ایک مسلمان کے سمجھانے سے سب مسلمانوں کا

فرض پورا ہو گیا اور سب کے ذمہ سے گناہ ساقط ہو گیا اگر اس کو کوئی بھی یہ نہ سمجھاتا تو سب مسلمان گناہ گار ہوتے، لہذا ہر مسلمان پر دوسروں کی خیر خواہی کرنا بقدر ضرورت لازم اور فرض ہے بشرطیکہ خیر خواہی کا اظہار کرنے والے کو یہ غالب گمان ہو کہ میں جس کی خیر خواہی کر رہا ہوں وہ میری بات بھی قبول کریگا اور مجھے کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچائیگا۔

البتہ اگر یہ خوف ہو کہ میں اس کی خیر خواہی کی بات کروں تو وہ مجھے تکلیف یا نقصان پہنچائیگا یا غالب گمان یہ ہو کہ میری بات نہیں مانی جائیگی بلکہ مذاق اڑایا جائے گا تو پھر اس کی گنجائش ہے کہ آدمی ایسے مقام پر خیر خواہی کا اظہار نہ کرے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر بھی آدمی حق اور خیر خواہی کا اظہار کرے۔

دوسروں کی خیر خواہی چاہنا ہماری حیات اور معاشرتی زندگی کا ایک لازمی جز ہونا چاہئے۔

چنانچہ حضرت ابو رقیہ تمیم الداری سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دین تو خیر خواہی کا نام ہے ہم نے عرض کیا کہ کس کی خیر خواہی؟ ارشاد فرمایا کہ (۱) اللہ تعالیٰ کی (۲) اللہ تعالیٰ کی کتاب کی (۳) اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی (۴) مسلمان حکام کی (۵) اور عام مسلمانوں کی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی خیر خواہی

اللہ تبارک وتعالیٰ کی خیر خواہی یہ ہے کہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات پر ایمان رکھے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد کا راستہ اختیار نہ کرے اور تمام صفات کمالیہ اللہ تعالیٰ کے لئے مانے اور تمام نقائص اور برائیوں سے اس کی ذات کو پاک مانے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اس کے تمام احکام پر بلا چوں وچرا عمل پیرا رہے اور اس کی نافرمانیوں اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچائے اللہ تعالیٰ ہی کی وجہ سے لوگوں سے محبت کرے اور اس کی نافرمانی کی وجہ سے لوگوں سے بغض رکھے، اس کی اطاعت کرنے والوں سے دوستی رکھے اور اس کے نافرمانوں سے دشمنی، اس کے نہ ماننے والوں سے جہاد کرے اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور شکر ادا کرے اور تمام اعمال میں اخلاص پیدا کرے کہ جو بھی عمل ہو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب کی خیر خواہی

اللہ تعالیٰ کی کتاب کی خیر خواہی کا مفہوم یہ ہے کہ

(۱) قرآن کریم پر ایمان ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس نے اپنے پیغمبر ﷺ پر اتاری ہے اس کے کلام کی مثل دنیا میں کوئی کلام نہیں ہے اور نہ کوئی اس جیسا کلام بنا کر لاسکتا ہے۔

(۲) اس کی تعظیم کرے اور اس کی توہین کو کفر جانے اور اس سے بچے۔

(۳) یہ عقیدہ رکھے کہ یہ کتاب بالکل محفوظ ہے اس میں کوئی لفظی تحریف یا کمی اور زیادتی نہیں ہوئی ہے اور نہ آیندہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون"

(۴) اس کی تلاوت کرے جیسے کہ تلاوت کرنے کا حق ہے کہ حروف کی صحیح ادائیگی اچھی آواز اور خشوع وخضوع کے ساتھ اس کو باوضو ہو کر پڑھے۔

(۵) اس کے معانی اور تفسیر میں تحریف کرنے والوں کا جواب دے اور خود علماء سے سیکھکر صحیح تفسیر و تشریح کرے۔

(۶) اس کے احکام، امثال، مواعظ، انذار و تبشیر اور وعدہ وعید پر غور وفکر کرے۔

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی خیر خواہی

نبی اکرم ﷺ کی خیر خواہی یہ ہے کہ

(۱) آپ کی رسالت اور نبوت کی تصدیق کی جائے اور آپ کی رسالت پر ایمان ہو۔

(۲) یہ عقیدہ ہو کہ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں آپ کے بعد کسی بھی معنی کے اعتبار سے کسی کو رسالت یا نبوت نہیں مل سکتی اور جو بھی اس قسم کا دعوی کریگا وہ دجال، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہوگا۔ (جیسے آجکل کے مرزائی قادیانی جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ پر نبوت ختم کردی ہے جیسے کہ ارشاد باری ہے۔

"ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ (الآیۃ)

(سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)

"نہیں ہیں محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ البتہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین (یعنی آپ پر نبوت ختم ہو چکی)"

حدیث میں بھی ارشاد ہے کہ "انا خاتم النبیین لانبی بعدی"

(رواہ ابوداؤد ۱۳۸ ج ۲ والترمذی ص ۳۶۶ ج ۶ وقال صحیح)

"میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"

(۳) آپ ﷺ نے جو احکام کرنے کے بتلائے ہیں ان پر عمل کیا جائے اور آپ ﷺ نے جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کیا جائے۔

(۴) آپ ﷺ کی سنت کی تعظیم کی جائے اور خود اس پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی جائے۔

(۵) سنت کی تحقیر اور استہزاء سے خود بھی بچا جائے اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی تلقین کی جائے کہ وہ اس گناہ سے بچیں۔

(۶) آپ کے دوستوں سے محبت رکھی جائے اور آپ کے دشمن سے دشمنی کی جائے۔

(۷) احیاء سنت کی محنت کی جائے اور سنت کو عام کیا جائے اور دین کی دعوت دینے میں عملی شرکت کی جائے۔

(۸) آپ کے بیان کردہ علوم کو خود سیکھا جائے اور دوسروں کو بھی نرمی اور سلیقہ سے اس کی تعلیم دی جائے۔

(۹) آپ کے اخلاق و آداب جو سیرت کی کتابوں میں منقول ہیں انہیں اختیار کیا جائے۔

(۱۰) آپ کے صحابہ اور اولاد سے محبت رکھی جائے اور صحابہ پر طعن و تشنیع سے اجتناب کیا جائے، اہل سنت سے محبت اور اہل بدعت سے بغض رکھا جائے۔

مسلمان حکام کی خیر خواہی

(۱) مسلمان حکمرانوں کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ خیر کے کاموں میں ان سے تعاون کیا جائے۔

(۲) ان کے جائز احکام میں اطاعت کی جائے۔

(۳) اور اگر ان سے کوئی غلطی ہو جائے تو نرمی اور محبت کے ساتھ ان کو نصیحت کی جائے۔

(۴) جن شرعی اور امور سلطنت کے کاموں سے وہ غافل ہوں ان کاموں کیطرف ان کو توجہ

دلائی جائے، ان کے سامنے رعایا کے حقوق کی نشاندہی کی جائے اور ان حقوق کی ادائیگی کیطرف ان کو توجہ دلائی جائے۔

(۶) ان کے خلاف بغاوت نہ کی جائے۔

(۷) ان کی اصلاح کی دعا کی جائے۔

(۸) ان کی جھوٹی تعریفیں نہ کی جائیں۔

(۹) ان کی کوتاہیوں پر ان کو توجہ دلائی جائے۔

(۱۰) انہیں ظلم کرنے سے باز رکھا جائے۔

یہ مفہوم اس معنے کے اعتبار سے ہے کہ ائمہ سے مراد خلفاء اور حکام ہوں، علامہ خطابیؒ نے سنن ابو داؤد کی شرح "معالم السنن" میں ایک دوسرا معنی یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد علماء امت ہوں، اس صورت میں ان کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہو گا کہ قرآن و سنت کی روایت اور احکام دین کے معاملے میں ان کو امین سمجھ کر ان پر اعتماد کیا جائے بشرطیکہ وہ اپنے قول و عمل اور علم کے اعتبار سے اس لائق ہوں، دین کے احکام میں ان کی تقلید کی جائے اور ان سے حسن ظن رکھا جائے ان پر بدگمانی نہ کی جائے۔

عام مسلمانوں کی خیر خواہی

عام مسلمانوں کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ

(۱) انہیں ان کاموں کی تلقین و نصیحت کی جائے جن میں ان کی دنیا و آخرت کا فائدہ ہو۔

(۲) اور قول و فعل سے ایسے امور کی ادائیگی میں ان کی مدد کی جائے۔

(۳) اگر کسی آدمی میں بشری تقاضوں کے مطابق کوئی کمزوری ہو تو اس پر پردہ ڈالا جائے اور عام لوگوں کے سامنے بلا ضرورت اس کی کمزوری کی تشہیر کر کے اس کی بے عزتی نہ کی جائے۔

(۴) اگر ان سے ضرر اور نقصان دفع کرنے کی قدرت ہو تو ان سے نقصان دفع کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

(۵) اگر ان کو کوئی دنیوی یا اخروی نفع پہنچا سکتا ہے تو ضرور پہنچانا چاہئے۔

(۶) ان کو معروف اور نیک کاموں کا حکم دیا جائے اور برے کاموں سے ان کو روکا جائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نرمی اور خیر خواہی کے جذبہ سے ہو۔

(۷) ان کے لئے بھی جائز اور خیر کے امور میں سے وہ کچھ پسند کیا جائے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جو کچھ اپنے لئے ناپسند کرے وہ دوسرے عام مسلمانوں کے لئے بھی ناپسند کرے جیسے کہ حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ ایمان میں یہ بھی شامل ہے کہ آدمی اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔

(صحیح بخاری ص ٦ ج ١)

(۸) عام مسلمانوں کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرے۔

(۹) اور ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی تلقین کرے۔

(۱۰) خیر خواہی کے وہ تمام تقاضے جو آپ کے سامنے گذریں ان کے لئے پورا کریں، سلف صالحین میں سے بعض حضرات ایسے بھی گذرے ہیں کہ جو دوسروں کی خیر خواہی میں اپنا نقصان کرلیا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی سے روایت ہے کہ میں نے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی اور مسلمانوں کی خیر خواہی پر نبی اکرم ﷺ سے بیعت کی ہے۔ (متفق علیہ) حضرت جریر جب کسی سے کوئی چیز خرید کرتے تھے یا کسی پر کوئی چیز فروخت کرتے تو اس شخص سے فرماتے کہ ہم نے جو چیز تم سے لی ہے وہ ہمیں اس چیز سے زیادہ محبوب ہے جو تمہیں دی ہے لہذا تم کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے کہ چاہے تو اس معاملہ کو فسخ کر دو۔

(رواہ ابو داؤد فی سننہ)

لہذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ ان بیان کردہ امور کی رعایت کرے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، اسکی کتاب، مسلمان حکام اور عام مسلمانوں کا خیر خواہ کہلا سکے۔

ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان کے بعد عقلمندی یہ ہے کہ آدمی وہ جائز کام کرے جس کی بناء پر وہ عام لوگوں میں پسندیدہ اور محبوب ہو، اپنی رائے پر خوش رہنے والا کبھی بھی دوسروں کی رائے سے مستغنی نہیں ہو سکتا اور مشورہ کرنے والا کبھی ہلاکت میں واقع نہیں ہو سکتا، جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی ہلاکت کا ارادہ فرماتے ہیں تو سب سے پہلے اس کی رائے اور عقل کو تباہ کر دیتے ہیں۔

(ادب الدین والدنیا)

ان حقوق کا بیان تو ختم ہوا جو "حق المسلم علی المسلم" کی حدیث میں مذکور

تھے اس کے بعد آپ کے سامنے احادیث مبارکہ کی روشنی میں کچھ مزید اہمیت کے حامل حقوق کا بیان کیا جاتا ہے۔

ضعیف کی مدد اور بڑوں کی عزت

احادیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے ضعیفوں کی مدد اور بڑوں کی عزت کے متعلق تاکید فرمائی ہے اور اس کے فضائل بھی ذکر فرمائے۔

چنانچہ ایک حدیث میں حضرت ابو ذر غفاری سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان پر ہر دن جب سورج طلوع ہو تو صدقہ واجب ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہر روز ہم کہاں صدقہ دے سکتے ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خیر کے مقامات تو بہت ہیں پھر آپ ﷺ نے تفصیل بیان کی کہ سبحان اللہ پڑھنا، الحمدللہ پڑھنا، اللہ اکبر پڑھنا، لاالہ الا اللہ پڑھنا، امر بالمعروف کرنا، برائی سے روکنا، راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، نہ سننے والے کو بات سنانا، نابینا کو راستہ بتانا، کسی ضرورت تلاش کرنے والے کو اس کی ضرورت بتانا، حاجتمند اور ضرورت مند کے ساتھ خود چل کر اس کی ضرورت پوری کرنا، مدد طلب کرنے والے کی مدد کرنا، ضعیف کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے بوجھ اٹھانا، سب صدقہ ہے جو انسان اپنے نفس پر صدقہ کرتا ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مسلمان بھائی کے سامنے مسکرا دینا، پتھر، کانٹا، ہڈی اور دوسری تکلیف دہ چیز راستے سے ہٹانا، کسی کی گمشدہ چیز کی تلاش میں اس کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔ (رواہ ابن حبان و بیہقی مختصراً)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آدمی ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا ہے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا۔

(حدیث صحیح رواہ ابو داؤد والترمذی وقال حسن صحیح)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی جوان کسی بوڑھے کے بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عزت کرتا ہے تو جب یہ جوان بوڑھا ہو جاتا ہے تو اللہ تبارک و تعالی اس کیلئے بھی کسی کو مقرر کر دیتا ہے جو اس کی عزت کرتا ہے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر دن انسان کے ہر جوڑ پر ایک صدقہ واجب ہوتا ہے، پھر فرمایا کہ دو آدمیوں کے درمیان عدل کرنا صدقہ ہے، اگر سواری پر سوار ہونے یا سامان اٹھا کر کسی کی سواری پر رکھنے میں مدد کرے تو یہ بھی صدقہ ہے، کسی سے اچھی بات کرنا صدقہ ہے، نماز کیلئے جاتے ہوئے ہر ہر قدم صدقہ ہے، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ان احادیث میں نبی اکرم ﷺ نے بڑوں کی عزت کا جو حکم دیا ہے اس میں آپ ﷺ نے مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں کی بلکہ آپ نے مطلقاً بڑوں کی عزت کا حکم دیا ہے چاہے اس کا عقیدہ جو بھی ہو یہ اسلام کی عظمت ہے کہ آپ نے جہاد میں بھی غیر مسلم بوڑھوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جب آپ جہاد کیلئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کو بھیجتے تو اسلامی لشکر کے قائد کو وصیت فرماتے کہ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ لشکر کو روانہ کرتے وقت ارشاد فرماتے کہ اللہ تعالی کے نام سے اللہ تعالی کی مدد و نصرت کے ساتھ اللہ تعالی کے دین کی سر بلندی کیلئے نبی کی ملت پر چلو، بوڑھوں کو قتل مت کرنا اور نہ بچوں اور عورتوں کو، مال غنیمت میں خیانت مت کرنا، مال غنیمت کو ایک جگہ جمع کرنا، اصلاح اور احسان کرنا کہ اللہ تعالی احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (رواہ ابو داؤد)

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنر اور قائد لشکر حضرت عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ اپنی رعیت میں دیکھو جو ذمی بوڑھا اور ضعیف ہو چکا ہو اور کمانے کے لائق نہ ہو تو مسلمانوں کے بیت المال سے اس کے لئے اتنا وظیفہ جاری کرو جس سے اس کی ضروریات پوری ہو سکے، مسلمانوں میں سے اگر کسی کا غلام بوڑھا اور ضعیف ہو چکا ہو اور اب کمانے کی قدرت نہ ہو تو اس کے مولی پر لازم ہے کہ یا تو اسے آزاد کر دے یا اس کی حیات تک اس کو اتنا وظیفہ دے جس سے اس کے اخراجات پورے ہو سکیں، فرمایا کہ میں یہ حکم اس لئے جاری کر رہا ہوں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے ذمی (کافر) کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ جب تمہاری جوانی میں ہم نے تم سے جزیہ لیا

اب تمہارے بڑھاپے میں تمھیں یوں ضائع کر دیں تو یہ انصاف نہیں ہے اور پھر بیت المال سے اس کے اخراجات کیلئے رقم مقرر فرما دی۔"

مظلوم کی نصرت

انسانوں کے ضروری حقوق میں سے ایک حق مظلوم کی مدد کرنا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا۔

"کیا ہوا تمھیں کہ اللہ کے راستے میں نہیں لڑتے ہو حالانکہ وہ ضعیف و کمزور مرد عورتیں اور بچے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب نکال دے ہمیں اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور مقرر کر دے ہمارے لئے اپنی جانب سے دوست اور مقرر کر دے ہمارے لئے اپنی جانب سے مددگار"

تفسیر منار میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کمزور اور ضعیف لوگوں کو ظالم اور جابر لوگوں کے ظلم سے آزاد کرانا بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد ہے خصوصاً جبکہ وہ کمزور اور ضعیف مسلمان ہوں تو پھر ان کی مدد اور ان کو ظلم سے چھٹکارا دلانا لوگوں پر لازم ہے جو ان کی مدد کی قدرت رکھتے ہوں چاہے اس کام کیلئے لڑائی لڑنی پڑے۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احداھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتّیٰ تفیء الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین۔

(سورۃ الحجرات آیت ۹)

"اگر دو گروہ اہل ایمان میں سے آپس میں لڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ اگر ان میں سے ایک سرکشی کرے تو لڑائی لڑو اس گروہ سے جو سرکشی کرے یہاں تک کہ وہ اللہ

تعالیٰ کے حکم کیطرف رجوع کریں اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کیطرف رجوع کریں تو پھر دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرو اور انصاف کرو بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں"

حضرت براءؓ بن عازب فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے چند چیزوں کا حکم دیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) مریض کی عیادت کرنا (۲) جنازے کے ساتھ قبرستان تک جانا (۳) چھینکنے والا اگر الحمدللہ کہدے تو یرحمک اللہ کہکر اسکو جواب دینا۔ (۴) اگر کسی آدمی نے جائز کام کرنے یا کوئی ناجائز کام نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہے تو اس کی قسم کو پورا کرنا (۵) مظلوم کی مدد کرنا۔ (۶) دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنا (۷) اور سلام کو عام کرنا یعنی ہر مسلمان کو سلام کرنا۔ (متفق علیہ)

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مظلوم ہونے کی صورت میں تو ہم اس کی مدد کرینگے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں اس کی مدد کیسے کریں؟ فرمایا کہ اس کو ظلم کرنے سے منع کرو یہ اس کی مدد ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت سہلؓ اپنے والد معاذؓ بن انس الجھنی سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی مومن کو منافق کے ظلم سے بچایا تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر فرمادینگے جو قیامت کے دن اس کے بدن کو جہنم کی آگ سے محفوظ کریگا۔

(رواہ ابوداؤد)

حضرت جابرؓ اور حضرت ابو طلحہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو ایسے مقام پر رسوا کروے (یعنی اس کی مدد نہ کرے) جہاں اس کی بے عزتی کی جارہی ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے مقام پر اس کو رسوا کرینگے جہاں یہ چاہے گا کہ کوئی اس کی مدد کرے، جب کوئی مسلمان ایسے مقام پر دوسرے مسلمان کی مدد کرے جہاں اس کی بے عزتی کی جارہی ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے مقام پر اس کی مدد کرینگے جہاں یہ اپنی مدد کئے جانے کو پسند کرتا ہوگا۔

(رواہ ابوداؤد)

حدیث کا مفہوم ہے کہ جہاں کسی پر ظلم ہو رہا ہو یا اس کی بے عزتی کی جارہی ہو اور

آپ اس کی مدد کر سکتے ہوں تو ضرور اس کی مدد کرنی چاہئے اس کے بدلے میں اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی ضرورت کی جگہ مدد فرمائینگے۔

درگذر کرنا

کسی آدمی کی غلطی پر اس سے بدلہ نہ لینا بلکہ معاف کرنا اور درگذر کرنا بھی ان صفات میں سے ہے جو ایک مومن میں ہونی چاہئے بلکہ یہ دوسرے مسلمانوں کا ایک طرح کا حق ہے کہ انکی غلطی پر ان سے درگذر کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

ولا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب۔

(المائدہ آیت ۲)

"اور برانگیختہ نہ کرے کسی قوم کی دشمنی تمہیں کہ روکا انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے کہ تم ظلم کرو بلکہ نیکی اور تقوی میں تعاون کرو اور گناہ و ظلم میں تعاون مت کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والے ہیں"

علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی قوم کے ساتھ بغض رکھنا کہ انہوں نے تمہارے آباؤ واجداد کو مسجد حرام سے روکا تھا تمہیں اس پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم اب ان سے اپنا دل ٹھنڈا کرنے کیلئے بدلہ لو بلکہ اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کیلئے معاف کرو اور درگذر کرو۔

اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی شان یہ ذکر فرمائی ہے کہ

والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین۔

(العمران آیت ۱۳۴)

اہل ایمان وہ ہیں جو غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں "والعافین عن الناس" کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی ایسی سزا سے بھی درگذر کرتے ہیں کہ وہ سزا کے مستحق ہو چکے ہوتے ہیں

یہ اچھی صفت ہے لیکن یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ یہ حکم وہاں ہے جہاں درگذر کرنے سے دوسروں کے حقوق پامال اور متاثر نہ ہوتے ہوں مثلاً قاضی اور حاکم اگر شرعی سزا سے درگذر کریگا تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے دین کے احکام معطل ہونگے اور دوسروں کے حقوق متاثر ہونگے اور مجرموں کو مزید جرم کی شہ ملیگی اس لئے قاضی اور حاکم کیلئے ایسے مقام پر درگذر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

بعض محققین علماء نے لکھا ہے کہ یہ آیتیں اس موقعہ پر اتری تھیں جب غزوہ احد میں نبی اکرم ﷺ نے کفار مکہ کے لشکر کو ایک جانب سے روکنے کیلئے چند صحابہ کو ایک مقام پر مقرر کیا تھا تاکہ کفار پشت کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ نہ کریں لیکن ان حضرات نے مسلمانوں کی فتح کے بعد اس میں کوتاہی کی جس سے کفار کو موقعہ ملا اور انہوں نے پشت کی جانب سے حملہ کیا جس سے مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوئی اور ستر صحابہ شہید ہوئے جن میں نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ بھی تھے، شہید ہونے کے بعد کفار نے ان کے بدن کے اعضاء کاٹے جس سے نبی اکرم ﷺ کو شدید صدمہ پہنچا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں حمزہ کے بدلے ان کے ستر آدمیوں کے اعضاء کاٹونگا جس پر یہ آیت اتری کہ آپ ﷺ ان صحابہ کی کوتاہی پر بھی درگذر فرمائیں جنکی کوتاہی کی وجہ سے کفار کو حملہ کرنے کا موقعہ ملا اور حضرت حمزہ والے معاملے میں بھی درگذر کرنے کا حکم ملا اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت علی بن الحسین جو زین العابدین کے نام سے مشہور ہیں ایک دفعہ وضو کر رہے تھے اور ایک باندی پانی ڈال رہی تھی، پانی کا برتن باندی کے ہاتھ سے آپ کے اوپر گرا، آپ نے غصے سے اسکی طرف دیکھا جس سے اس کو اندازہ ہوا کہ شاید اب سزا ملیگی، باندی نے والکاظمین الغیظ پڑھا (یعنی اہل ایمان وہ ہیں جو غصہ پی جاتے ہیں اور غصے کو پی کر سزا نہیں دیتے) تو آپ نے اس باندی سے کہا کہ میں غصہ پی چکا اس نے پھر پڑھا کہ واللہ یحب المحسنین (کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) آپ نے فرمایا کہ جاؤ تم اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے آزاد ہو۔

پڑوسی پر احسان کرنا

ہر مسلمان کیلئے پڑوسیوں کے حقوق کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ اخوت اور بھائی چارے

کے قیام میں اس کا بہت دخل ہے اور ہمارے دین نے اس کا قطعی حکم دیا ہے اور ہمیں اس کا پابند بنایا ہے کہ ہم پڑوسیوں کی حقوق کی رعایت کریں بلکہ اسلام نے اس کو عبادت کا درجہ دیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور رضا حاصل ہو جاتی ہے چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے

واعبدو اللہ ولا تشرکوابہ شیئاً وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وماملکت ایمانکم۔ (متفق علیہ)

"اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اور والدین رشتہ داروں اور غلاموں سے احسان کا سلوک کرو یعنی ان سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ"

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قریب اور دور کے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ اسلام مجھے بار بار پڑوسی کے حقوق کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ اسکو وارث بھی بنا دیا جائیگا۔ (متفق علیہ) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تین دفعہ قسم اٹھا کر ارشاد فرمایا کہ کامل مومن نہیں بن سکتا عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کون! ارشاد فرمایا وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کے ظلم و زیادتی سے محفوظ نہ ہوں۔ حدیث میں بوائق کا لفظ ہے جس سے مراد شر ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کرو اور اپنے پڑوسیوں کو بھی اس میں سے دو۔ ایک روایت میں حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل (یعنی دوست، مراد نبی اکرم ﷺ ہیں) نے مجھے وصیت کی کہ جب شوربا پکاؤ تو اس میں زیادہ پانی ڈالو اور پھر اس سے اپنے پڑوسیوں کو بھی دو۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں تو اگر چیز کم ہو اور دونوں کو نہ پہنچ سکتی ہو تو پھر میں ان دونوں میں سے کس کو دوں ارشاد

فرمایا کہ جس کا دروازہ تمھارے گھر کے زیادہ قریب ہو۔ (رواہ البخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو پڑوسی جتنا زیادہ قریب ہوگا اس کا حق بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ ان ارشادات کی روشنی میں ہر مسلمان کو چاہئے کہ پڑوسی سے حسن سلوک کرے کیونکہ سنن ترمذی کی روایت میں اس کو مومن ہونے کی علامت بتلایا گیا ہے، ارشاد ہے کہ پڑوسی سے حسن سلوک کرو اور مومن بن جاؤ یعنی اس عمل کی وجہ سے تم مومن بن جاؤ گے۔

اس حدیث کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے جس میں ارشاد ہے کہ وہ آدمی کامل مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

ان احادیث سے پڑوسیوں کے حقوق کا کچھ اندازہ ہوگیا ہوگا پڑوسی کے حقوق کی پوری تفصیل مصنف کی دوسری کتاب میں جسکا ترجمہ بندہ نے کیا ہے اور اسلام کا معاشرتی نظام حصہ اول یعنی پڑوسیوں کے حقوق کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔

اس سے پہلے جو صفات اور حقوق آپ کے سامنے ذکر کئے گئے ہیں وہ ایسے صفات اور حقوق ہیں کہ اگر واقعۃً انسان ان پر عمل کرلے تو ایک ایسا اسلامی معاشرہ تشکیل پائے گا جو چین اور سکون کا معاشرہ ہوگا اور اسلامی بھائی چارے اور اخوت کی مثالیں ہر طرف نظر آئیں گی۔

اب اس باب میں ہم آپ کے سامنے وہ صفات ذکر کرنا چاہتے ہیں جو ایک صحیح اور حقیقی دوست کی صفات ہوا کرتی ہیں تاکہ انسان ان صفات کو مدنظر رکھکر ایسے لوگوں کو دوست اور رفیق بنائے جو واقعی اس کے اہل ہوں۔ اس سلسلے میں آپ کے سامنے قرآن و حدیث کی چند نصوص ذکر کی جاتی ہیں جن میں اچھے دوستوں کی صفات کا تذکرہ ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم ترید زینۃ الحیاۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطا۔ (سورۃ الکھف آیت ۲۸)

"اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام اور چاہتے ہیں اس کی رضا کو اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر زندگی کی رونق کی تلاش

میں اور کہنا نہ مان اس کا کہ جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ تابعداری کرتا ہے اپنی خواہش کی اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے"

اس آیت کے شان نزول میں امام بغوی نے لکھا ہے کہ عیینہ بن حصن فزاری نے (جو مکہ کا ایک رئیس تھا) نبی اکرم ﷺ سے ایک موقعہ پر کہا کہ سلمان اور اس جیسے دوسرے غریب اور خستہ حال لوگ آپ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں اس لئے ان کے ساتھ مجلس میں بیٹھنا ہمارے لئے عار کی بات ہے آپ یا تو ان کو مجلس سے اٹھا دیا کریں یا آپ ہمارے لئے الگ مجلس مقرر فرمایئے اور ان کے لئے الگ۔

ابن مردویہ نے نقل کیا ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ امیہ بن خلف جمحی نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ آپ غریبوں کو اپنے پاس نہ رکھیں بلکہ مکہ کے رؤساء اور سرداروں کو قریب رکھیں اگر یہ لوگ آپ کے دین کو قبول کرینگے تو پھر آپ کے دین کو ترقی ہوگی۔

(معارف القرآن ص ۵۵۵ ج ۵)

جس پر یہ آیت اتری اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی اور حکم دیا کہ آپ کی توجہات اور توقعات سب ان غریبوں سے وابستہ رہنی چاہئے، معاملات میں ان ہی سے مشورہ لیں اور ان کی امداد و اعانت سے کام کریں اور وجہ بھی بتلا دی گئی کہ چونکہ یہ لوگ صبح و شام اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور ان کا یہ عمل بغیر کسی دکھلاوے کے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہے اور یہ سب وہ حالات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کا سبب بنتے ہیں لہذا ان کے ساتھ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد آئیگی۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ ایسے لوگوں کو دوست بنایا جائے جو نیک اور پارسا ہوں اور جن کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوں اور جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے عمل کرتے ہوں دکھلاوا مقصود نہ ہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اچھے اور برے ہم مجلس اور دوست کی مثال ایسی ہے کہ جیسے عطر فروش اور لوہار کی کہ عطر فروش یا تو آپ کو کچھ عطر دیگا یا آپ اس سے خرید لینگے یا کم از کم اسکی عطر سے آپ کو خوشبو تو آئیگی اور لوہار کے پاس جب بیٹھیں گے تو آپ کے کپڑے جل جائینگے یا کم از کم راکھ اڑ کر آئیگی۔ (متفق علیہ) اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے اچھے دوست کی مثال

عطر فروش کی بیان فرمائی ہے کہ جس سے بہر صورت کوئی نہ کوئی فائدہ ہی آپ کو حاصل ہوگا اور برے دوست کی مثال لوہار کی سی ہے کہ جب آپ اس کی بھٹی کے پاس بیٹھیں گے یا تو اس کی بھٹی سے کوئی چنگاری اڑ کر آپ کے کپڑوں کو جلا ڈالیگی یا یہ کہ آپ کو اس کے قریب بیٹھنے سے اسکی راکھ اڑ کر آپ کے کپڑوں اور آپ کو کالا تو ضرور کرے گی۔

حضرت ابو سعید خدری نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوستی نہ کیا کر مگر مومن سے اور تیرا کھانا نہ کھائے مگر متقی آدمی۔

(رواہ ابو داؤد والترمذی)

یہ حدیث تو بالکل واضح ہے کہ مومن اور تقویٰ والے آدمی سے دوستی رکھنی چاہئے کیونکہ وہ اپنے ایمان اور تقویٰ کی وجہ سے کبھی آپ کو نقصان نہیں دے گا بلکہ فائدہ ہی دے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہذا تم میں سے ہر آدمی کو خیال رکھنا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر آدمی کی پہچان اس کے دوستوں سے ہوگی اگر اچھے اور دین دار لوگوں سے دوستی ہے تو معلوم ہوگا کہ یہ بھی اچھا دین دار اور شریف آدمی ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوگا تو لوگ اس کے متعلق بھی یہی خیال کرینگے کہ جیسے اس کے دوست ہیں یہ بھی ویسا ہی ہے ایک عربی شاعر کا شعر ہے۔

اذا كنت في قوم فصاحب خيارهم
ولا تصحب الاردٰى فتردٰى مع الردی

"جب تم کسی قوم میں رہتے ہو تو ان میں سے جو اچھا آدمی ہو اس کے ساتھ دوستی رکھو، ردی اور بیکار آدمی کے ساتھ دوستی مت رکھو ورنہ تم بھی ردی اور بیکار آدمی کے ساتھ ردی اور بے کار بن جاؤ گے"

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

"ہر پرندہ اپنی ہی جنس کے پرندوں کے ساتھ پرواز کرتا ہے کبوتر کبوتر کے ساتھ اڑتا ہے اور باز باز کے ساتھ"

یعنی جیسے آدمی کے دوست ہونگے ویسے ہی لوگوں کی نظروں میں وہ آدمی ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگوں کی بھی اسی طرح کی کانیں ہوتی ہیں جیسے کہ سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، جو لوگ زمانہ جاہلیت میں اچھے اور شریف شمار ہوتے تھے وہ اگر دین کی سمجھ حاصل کریں تو اسلام میں بھی وہ اچھے اور شریف شمار ہونگے۔

(رواہ مسلم)

علقمہ بن لبید عطاردی نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب تمھیں دوستوں کی ضرورت ہو تو ایسے لوگوں سے دوستی رکھنا جن کی دوستی شریف لوگوں کے معاشرے میں تمہارے لئے باعث مسرت ہو، ایسے لوگ ہوں کہ اگر تم ان کی خدمت کرو تو پھر وہ تمہاری حفاظت کریں یعنی پھر تمہاری حاجات ان ہی سے پوری ہوں اور دوسروں سے مانگنے کی ضرورت پیش نہ آئے اور اگر کبھی تمھیں کوئی ضرورت پیش آئے تو وہ تمہاری مدد کریں اگر تم بات کرو تو وہ تمہاری تصدیق کریں اور مدد کی ضرورت ہو تو وہ ہر وقت تمہاری مدد کریں اگر تمہاری اچھائی دیکھیں تو اس کی تشہیر کریں اور برائی دیکھیں تو اس کو چھپائیں اور اکیلے میں تجھے نصیحت کریں، اگر تم ان سے کچھ مانگو تو تمہاری مدد کریں اور اگر ضرورت کے وقت تم نہ مانگو اور تمہیں ضرورت مند دیکھیں تو از خود تمہیں دیں۔

(عیون الاخبار ص ۲ ج ۳)

محمد بن کعب القرظی نے ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایسے آدمی سے دوستی کرو جو دین داری میں اونچے مقام پر فائز ہو اور اچھی نیت رکھتا ہو، ایسے آدمی سے دوستی نہ کرو جس کی دوستی تم سے ضرورت کے تحت ہو کہ جب اس کی ضرورت ختم ہو تو پھر دوستی باقی نہ رکھے اور جب تم کوئی اچھا کام کرو تو اس کو باقی رکھو اور آگے بھی بڑھاؤ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

جزى الله الشدائد كل خير

عرفت بها عدوى من صديقى

"اللہ تعالیٰ مصیبتوں کو جزاء خیر دے جن کے ذریعے میں نے دوست اور دشمن کو پہچانا"

یعنی دوست اور دشمن کی پہچان مصیبت اور ضرورت کے وقت ہوتی ہے کیونکہ سچا دوست مصیبت کے وقت بھی ساتھ دیتا ہے جبکہ غرض کے تحت دوستی کرنے والا اس وقت ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ،

دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست

در پریشان حالی و درماندگی

جس کا مفہوم یہ ہے کہ دوست حقیقۃً وہ ہے جو مصیبت کے وقت کام آئے اس لئے انسان جب کسی کو دوست بنانا چاہے تو اس کو آزمائے اور اس کے احوال معلوم کرے کہ واقعۃً وہ اس قابل بھی ہے کہ اسے ایک اچھا اور قابل اعتماد دوست بنایا جائے۔

بعض حکماء کا قول ہے اسبر تخیز کہ پہلے آزمالو پھر اس کو دوست کیلئے پسند کرو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دھواں بھی آگ کے وجود پر اتنا یقینی طور پر دلالت نہیں کرتا جتنا کہ ایک دوست کے حالات دوسرے دوست کے حالات و عادات پر دلالت کرتے ہیں۔

بعض اہل ادب کا قول ہے کہ دوست پر آزمانے سے پہلے اعتماد مت کر. اور دشمن پر اس کو قدرت حاصل ہونے سے پہلے اعتماد مت کرو۔

یعنی دوست کو جب تک آزمایا نہیں اس وقت تک اس کو قابل اعتماد مت سمجھو اور دشمن کو جب قدرت حاصل ہو کہ وہ تجھے نقصان پہنچا کر اپنی دشمنی کا بدلہ چکا سکتا تھا لیکن پھر بھی اس نے بدلہ نہیں لیا، جب ایسا ہوجائے تو اس کے بعد اس پر اعتماد کرو اس سے پہلے جب تک اس کو قدرت نہیں اور وہ کہتا ہے کہ میں نے دشمنی ترک کردی ہے تو وہ قابل اعتماد نہیں۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ دوست ایسا اختیار کرو جس میں مندرجہ ذیل صفات ہوں،

۱۔ دین داری
۲۔ اچھا نسب
۳۔ عقل مند اور ذی رائے
۴۔ اہل ادب

ایسا دوست ضرورت، مصیبت اور حاجت کے وقت تمہارے لئے مددگار ثابت ہوگا تمہاری وحشت کو دور کرے گا اور تمہارے مرنے کے بعد بھی تمہارے لئے ذریعہ عزت ہوگا۔
(ادب الدین والدنیا)

الحمدللہ اولاً و اخراً والصلوٰۃ والسلام علی اکرم الخلق و آلہ و صحبہ وسلم تسلیما کثیراً کثیراً

نظام الدین شامزی
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
۱۳۱۶/۳/۲۰ھ